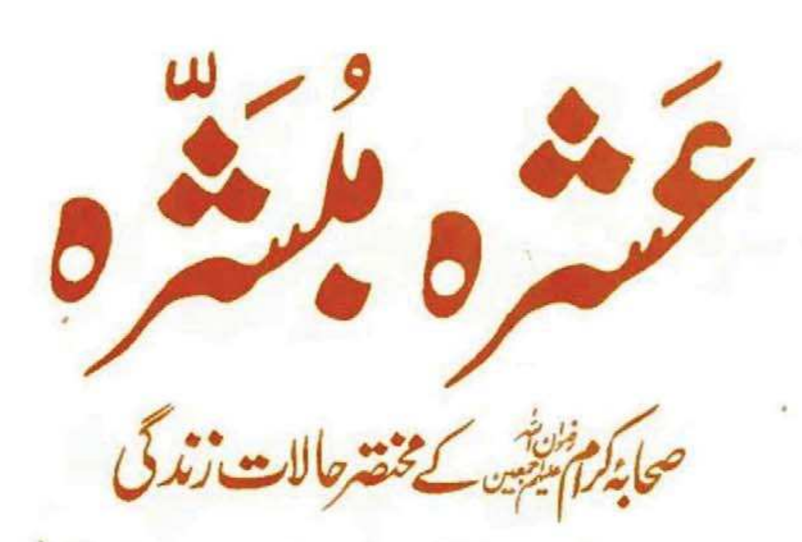


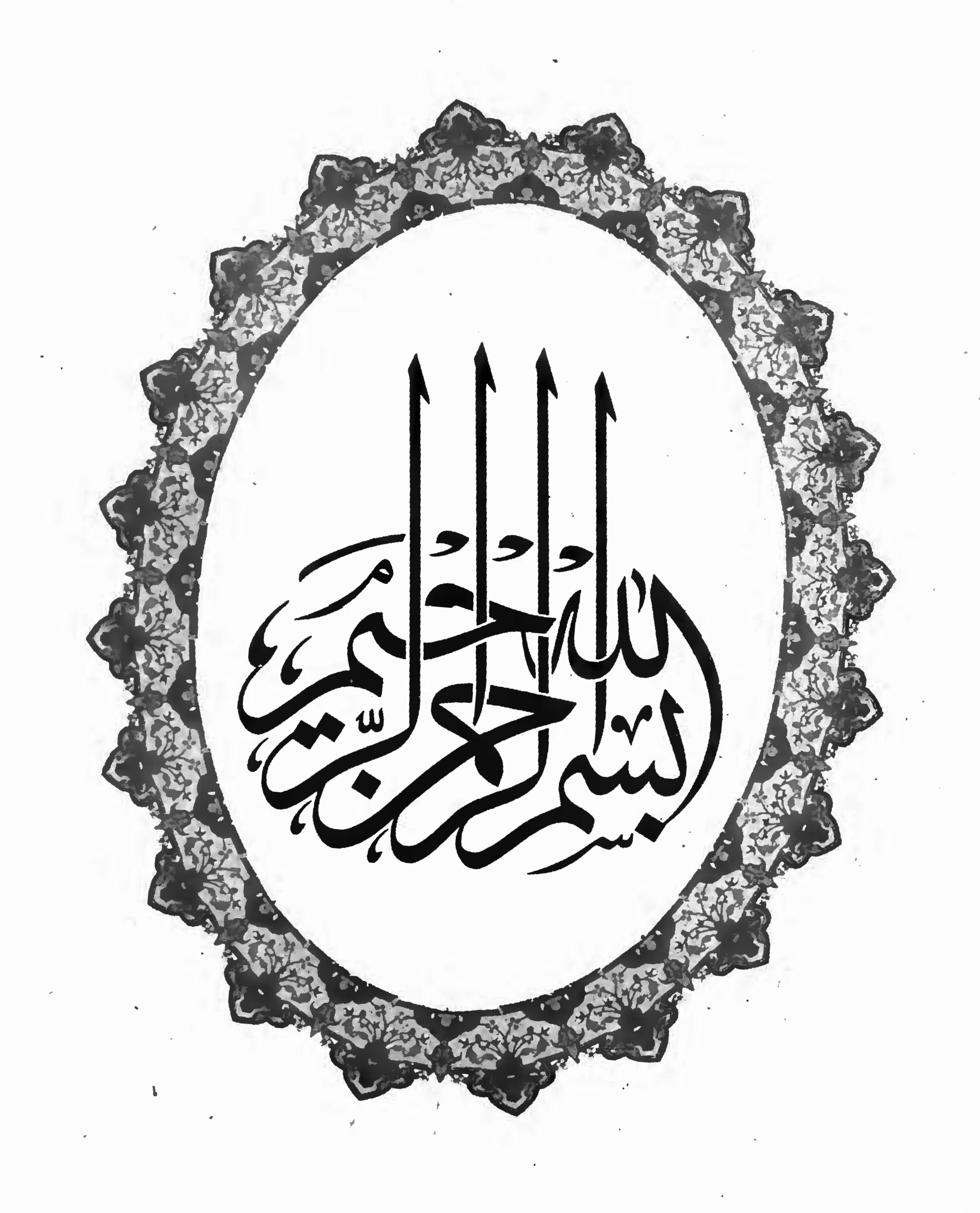


محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

معاون خصوصی
صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی مدظلہ






بسم الله الرحمن الرحیم



مقدمہ 25

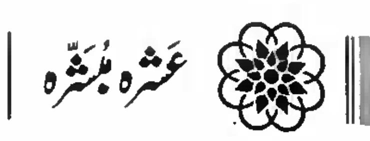
1 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ 29

اعتکاف کے بیانات 29

صحابی کی تعریف 30

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا مجموعہ 30

صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند 31



تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں 31

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جرح وتعدیل سے مستثنیٰ 31

کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مجہول نہیں 32

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بہترین جماعت 32

راہِ صحابہ، راہِ نجات 33

اہل سنت والجماعت کون؟ 33

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کا معیار 33

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید 34

صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کا سادہ جواب 34

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امتحان میں کامیاب 35

تاریخ بننے سے پہلے ماننا کمال ہے 35

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خوبی 35

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اول مومن 36

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کمالِ ایمان کی ایک اور وجہ 37

اسلام سے پہلے وزیر بننے کی بشارت 37

صدیق کی وجہ تسمیہ 38

عتیق کی وجہ تسمیہ 38

عتیق نام کی دوسری وجہ 39

ابوبکر آل ویدر فرینڈ 41

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خصوصی اعزاز 42

فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ میں احادیث کی تعداد 42

لفظ ''ابوبکر'' کی تحقیق 42

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جامع القرآن 43

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ناشر القرآن 44

ہر ایک کی تلاوت کا ثواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو 44

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت 44

معیت کبریٰ کا مقام 45

ہر جگہ نبی علیہ السلام کا ساتھ 46

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نبی علیہ السلام والے القابات 46

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راضی کرنے کی بشارت 46

نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا معاملہ 47

''ثانی اثنین'' کا خطاب 49

ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے اور نبی علیہ السلام دوسرے 49

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقامِ صحابیت 50

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام جیسی صفات 51

نبی علیہ السلام کے ساتھ لقب میں مشابہت 52

نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انعام میں برابری 52

سوچ اور طبیعت میں مطابقت 52

صلح حدیبیہ میں ایک جیسا موقف 53

باغ فدک کا معاملہ ایک جیسا 54

احکام شریعت میں مشابہتِ مزاج 54

خاندانوں میں بھی مشابہت 55

اولاد کے اندر بھی مشابہت 56

اولاد کی اولاد میں بھی یکسانیت 56

اللہ کا معاملہ بھی ایک جیسا	57
دونوں ایک ہی نماز کے امام	57
دونوں کو مجنون کہا گیا	58
پناہ کا ایک جیسا معاملہ	58
اپنے اپنے محبوب کو تسلی دینا	58
سبب وفات بھی ایک جیسا	59
عمر میں برابری	59
ابوبکر رضی اللہ عنہ بارِ نبوت کے متحمل	59
سفر ہجرت کے رفیق	60
غارِ ثور میں نبی علیہ السلام کی خدمت	61
تخلیہ اور محبوب کا چہرہ	62
رحل پہ رکھا قرآن	62
شبنم گلاب پر	63
اللہ کی امانت ابوبکر کے حوالے	64
معراج اور ہجرت کے رفیق میں فرق	64
لعاب نبوت کا کرشمہ	65
غارِ ثور کی نیکیاں	65
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا وزن	65
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ	66
انجم نیازی کا خراج عقیدت	67
ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا نتیجہ	68
بشر ایسے بھی ہوتے ہیں	68

2 حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ 71

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعارف ... 71
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام ... 72
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے جنتی ہونے کی خوشخبری ... 72
- فضائل عمر فاروق رضی اللہ عنہ ... 73
- ایک سوال کا جواب ... 75
- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش انتقام ... 76
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حرم میں اعلان ... 80
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ... 81
- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب اور اس کی تعبیر ... 82
- فتح بیت المقدس ... 83
- ایک بوڑھے کا ٹیکس معاف کروانا ... 85
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی ... 87
- مقام تسخیر ... 88
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ ... 90
- اللہ کے حضور پیشی کا ڈر ... 91

3 حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 97

- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعارف ... 97

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام	98
اسلام کی خاطر قربانی	98
معاشرتی حیثیت	99
جنت کی بشارت	99
عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرشتوں کا حیا	100
دو ہجرتیں	101
مدنی زندگی کا آغاز	101
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح	101
خوبصورت ترین جوڑا	101
غزوۂ بدر میں شرکت	102
اہلیہ کی وفات	102
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکاح کی آفر	103
عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے بہتر رشتہ	103
چالیس بیٹیاں پیش کر دیتا	104
یہودی سے کنویں کی خریداری	105
جنت کی بشارت	106
نبی علیہ السلام کی جنگی حکمت عملی	107
غزوہ تبوک میں منافقین کا طرز عمل	108
تبوک کے لیے چندہ	108
نبی علیہ السلام کے لیے سرپرائز	109
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی سعادت	109
حدیبیہ کے سفیر	110

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ ... 110
سفیر نبوت ... 111
اکیلے عمرہ کرنے سے انکار ... 111
محبت کی بات ... 112
شہادت کی اُفواہ ... 112
نبی علیہ السلام کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ... 113
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی کے اخراجات ... 114
ترتیب خلافت کی دلیل ... 114
ترتیب خلافت کی عقلی دلیل ... 115
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام ... 116
نشر قرآن کا کارنامہ ... 117
دنیا کو ایک قرأت پر جمع کرنا ... 118
آپ کے دورِ خلافت کی فتوحات ... 118
رشیا میں دین پھیلانے والی ہستیاں ... 119
مسجد نبوی کی توسیع ... 119
مسجد نبوی میں محراب کی ابتدا ... 120
جمعہ کی دوسری اذان کا اجراء ... 120
جمعہ کے دن کا ایک خصوصی عمل ... 121
آپ کا دورِ خلافت ... 121
سببِ شہادت، گورنر مصر کی معزولی ... 122
محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مصر میں تقرری ... 122
دوران سفر ایک عجیب واقعہ ... 122

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدینہ واپسی 123
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتے دار پر شک 124
مروان کو حوالے کرنے سے انکار 125
نکتۂ اختلاف 125
گھر میں محصوری 125
بلوائیوں کا واویلا 126
خوراک پانی کی بندش 126
عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مشورہ 127
محاصرے کے دوران نبی علیہ السلام کی زیارت 128
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کی حفاظت 128
بلوائیوں کی خباثت 129
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت 130
شہادت کا گواہ اللہ کا قرآن 130
شہید مظلوم 130
لوگوں میں تحمل کی کمی 131
اہلیہ کا بیان 131
عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر الزامات 132
بدری صحابی نہ ہونے کا الزام 132
فضول قسم کی دلیل 132
رشتے داروں کو عہدے دینے کا الزام 133
خلافت وملوکیت میں تنقید 133
خوبصورت جواب 133

بڑی بڑی رقمیں ہدیہ دینے کا الزام 134
بڑی رقم ہدیہ دینے کا پس منظر 135
شورش کے خاتمے کا حل 135
امیر لشکر کو قتل کرنے کا انعام 136
شورش کا خاتمہ 136
انعام کا مطالبہ 136
اختلافی مسئلے کا پیدا ہونا 137
مسئلے کا بہترین حل 137
تم ماے لگتے ہو؟ 138
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت 139
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے امتیازات 139

4 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ 141

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعارف 141
قبول اسلام کا واقعہ 142
بچوں میں سب سے پہلے مسلمان 142
نبی علیہ السلام کے بستر پر سونے کا اعزاز 143
صلح حدیبیہ کی عبارت لکھنے کی سعادت 143
خودنوشت احادیث 143
خودنوشت قرآن مجید 144
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم 144

یمن کی گورنری	145
قوتِ فیصلہ کے لیے نبی علیہ السلام کی دعا	145
سب سے اعلیٰ قاضی	146
حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عمر رضی اللہ عنہ کا رشک	146
ا۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی سعادت	147
۲مسجد سے جنبی گزر جانے کی رعایت	147
۳۔خیبر میں جھنڈا ملنے کی سعادت	147
خیبر میں جھنڈا ملنے کی وجہ	147
ایک مشکل قلعہ	148
کل جھنڈا فاتح کے ہاتھ میں	148
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بلاوا	149
جھنڈے کی حوالگی	149
نبی علیہ السلام کے لعاب کا کمال	149
قلعے پر حملہ	150
خیبر کے دروازے کا وزن	150
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی کنیت	151
دوسری کنیت	151
ابوتراب کنیت کی وجہ	151
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد	152
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری	152
نبی علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق	152
نبی علیہ السلام کے ساتھ بے تکلفی	153

نبی علیہ السلام کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خوش طبعی 153

ایک بڑھیا سے نبی علیہ السلام کی خوش طبعی 153

ایک اور صحابی کے ساتھ مزاح 154

جنت کی خوش خبری 154

امت کے بے مثال مجاہد 155

وقت کے گاما پہلوان سے مقابلہ 155

غزوۂ تبوک میں ذمہ داری 157

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہارون علیہ السلام کی مانند 158

وفد نجران کی آمد 158

عبدالمسیح کا نبی کے ساتھ مناظرہ 159

وفد نجران کو دعوت مباہلہ 159

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے اہل بیت 160

تو مجھ سے اور میں تجھ سے 160

مواخات مدینہ 161

انصار کا حسن سلوک 162

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی 162

دنیا آخرت میں نبی علیہ السلام کے بھائی 162

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا محب اور دشمن 163

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ 163

تسبیحات فاطمہ کا تحفہ 164

نبی علیہ السلام کا حجۃ الوداع 165

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حج 165

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قربانی 166
نبی علیہ السلام کی قربانی ذبح کرنے کی سعادت 166
علی رضی اللہ عنہ کا دوست نبی علیہ السلام کا دوست 167
حضرت علی رضی اللہ عنہ شہر علم کا دروازہ 167
علم ولایت سب زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا 168
ولایت کے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے 168
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدلل فیصلے 168
دو مسافروں کا عجیب مقدمہ 170
ایک خارجی کو کرارا جواب 171
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب 172
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت 172
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت 173

5 حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ 175

استاد کے مقام کا اندازہ 175
کس صحابی کی اقتدا کریں؟ 176
ابتدائی تعارف 177
بصرہ کے راہب کی پیشگوئی 177
مکہ واپسی 178
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات 178
قبول اسلام 179

''قرینین'' کہلانے کی وجہ	179
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا جبر	179
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تدیُّن	180
اِنفاق فی سبیل اللہ	180
باری تعالیٰ سے ایفائے عہد	182
اُحد میں بہادری وجانثاری	183
چلتا پھرتا شہید	185
''سترہ'' کی مشروعیت	185
کلمہ کی فضیلت	186
مہمان نوازی	186
زندگی کو غنیمت جانیے	188
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر عتاب	188
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ...بہترین شوہر	189
پہلی اور دوسری خوبی	190
تیسری خوبی	190
چوتھی خوبی	191
پانچویں خوبی	191
چھٹی خوبی	191
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی کثرت	192
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری	192
صلح کے لیے کوششیں	192
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کا سبب	193

قبر کی منتقلی 194

6 حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ 197

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تعارف 197
والدہ کی اچھی تربیت 198
قبول اسلام 198
سب سے پہلے تلوار اُٹھانے کا شرف 198
تمام غزوات میں شرکت 199
غزوۂ بدر واُحد میں شجاعت کے جوہر 199
بدر میں لگنے والا زخم 200
نبی علیہ السلام نے ان کا نیزہ تبرک کے لیے مانگا 200
بدر میں فرشتوں کا عمامہ زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح 200
نبی علیہ السلام کے جنت میں حواری 201
میرے ماں باپ تجھ پر قربان 201
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیشہ 202
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وراثت 202
مال کے باوجود فقیرانہ زندگی 202
دو ہجرتوں کا شرف 202
مدینہ میں انصاری بھائی 203
کفارہ مجلس کی روایت 203
شہادت کی خوش خبری 203

اُحد میں والدہ کو سنبھالا	204
اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن	205
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیابت	205
اللہ کے راستے میں خرچ کرنا	206
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ مقابلہ	206
اُحد میں سینے پر لگنے والے زخم	206
ایک مشرک کا مقابلہ	207
حنین میں نبی علیہ السلام کی حفاظت	207
یرموک میں صفوں کو چیرنا	207
مصر میں جان کی بازی	208
جنگ صفین کے مصلحین	209
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی سے پرہیز	209
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت	209
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خراجِ عقیدت	210

7 حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ 213

اسم گرامی	213
سنِ پیدائش	214
قبولِ اسلام	214
امتیازات	214
بہترین فضیلت کے حامل	214

مال و دولت اور علم و فضل ایک ساتھ	216
مال کے وبال سے محفوظ	216
وراثت کی مالیت	217
بیویوں کا میراث میں سے حصہ	217
بدری صحابہ کے لیے ہدیہ	217
آپ کے انصاری بھائی	218
انصاری بھائی کی آفر	218
بزنس کا آغاز	218
کاروبار میں برکت	219
مدینہ میں نکاح	219
لشکر کی روانگی میں معاونت	219
مال داری کے باوجود شوقِ علم	220
نبی علیہ السلام کے ساتھ والہانہ عشق	220
آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرشتوں کی مدد	221
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت	222
ابن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق	222
اُمہات المؤمنین کی مالی خدمت	223
دل میں اللہ کا خوف	224
علمی شان	224
صلہ رحمی میں پہل کرنے والے	225
صلہ رحمی سے متعلق روایت	225
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک اہم مشورہ	226

ابہام رکعات والی حدیث کی روایت	226
فقہی مقام	227
سات سو اونٹ غلہ سمیت صدقہ	229
ریشم پہننے کی خصوصی اجازت	229
ایک دن میں 30 غلام آزاد	230
غزوۂ اُحد میں چندہ	230
دومۃ الجندل کا ایک اعزاز	231
نبی علیہ السلام کی عجیب حکمت عملی	231
مال کے باوجود صف اوّل کے نمازی	232
پہلے نماز، پھر دیگر معاملات	232
وفات حسرت آیات	233
نمازِ جنازہ اور تدفین	233
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے تاثرات	233
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات	233
انجم نیازی کا خراجِ عقیدت	234

8 حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 235

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعارف	235
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام سے رشتہ داری	236
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پیدائش اور حلیہ	236
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صلاحیتیں	236

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	237
قبول اسلام کا واقعہ	237
قبول اسلام پر والدہ کا ردِ عمل	238
جنتی ہونے کی بشارت	238
شعب ابی طالب میں حالات	239
ہجرت اور مواخات	240
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی دو بڑی سعادتیں	240
سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	241
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی کا شوق جہاد	241
غزوہ اُحد میں شجاعت کے جوہر	242
ایک تیر سے تین شکار	242
مستجاب الدعوات صحابی	243
حجۃ الوداع میں شرکت	244
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی علیہ السلام کی پیش گوئی	245
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات	246
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نئی پالیسی	247
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بطور سپہ سالار	247
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جہادی خطاب	248
شاہ ایران کے پاس قاصد روانہ کرنا	249
با قاعدہ جنگ	250
جنگ میں مسلمانوں کے لیے بڑا مسئلہ	250
جنگ کا دوسرا روز	251

جنگ کے دوسرے روز ایک عجیب واقعہ 251
جنگ کا تیسرا روز 253
خلافت کے لیے نامزدگی 254
ازواج واولاد 254
گوشہ نشینی اور وفات 254
تجہیز وتکفین 255
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت 255

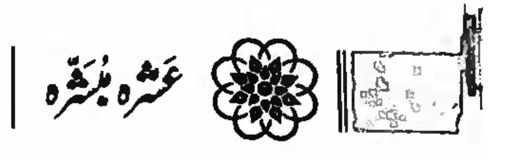
9 حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ 257

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا تعارف 257
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رشتہ 258
آپ کے والد محترم کے چیدہ چیدہ حالات 258
حضرت زید کے توحید پر مبنی اشعار 259
مذہب حق کی تلاش کے لیے سفر 259
حضرت زید کی ایک عظیم خوبی 261
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام 262
جنتی ہونے کی بشارت 262
ہجرت مدینہ اور مواخات 263
غزوہ بدر میں شمولیت 263
تمام غزوات میں شرکت 264
عہد فاروقی میں کارنامے 265

دمشق کی گورنری اور شوق جہاد	265
جنگ بعلبک کا واقعہ	265
عیسائی فوج کا محاصرہ	266
اہل محاصرہ کے بارے میں صلح	267
اہل شہر کے بارے میں صلح	267
شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد گوشہ نشینی	268
حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر ایک عورت کا جھوٹا الزام	269
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اولاد	270
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات اور عمر	270
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت	270
حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	273

10 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا تعارف 273

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	274
دو ہجرتوں کا شرف	274
اسلامی لشکر کی سربراہی	274
جسمانی ڈیل ڈول	274
نبی علیہ السلام کا ان پر اعتماد	274
خلافت کا اعتماد	276
ایک مشکل مہم کی سرکردگی	276
ٹیلے نما مچھلی کے ذریعے خدائی مدد	277



اس امت کے امین 277

دنیا سے بے رغبتی 278

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا زہد 278

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتماد 279

قیامت کی پیشی کا ڈر 279

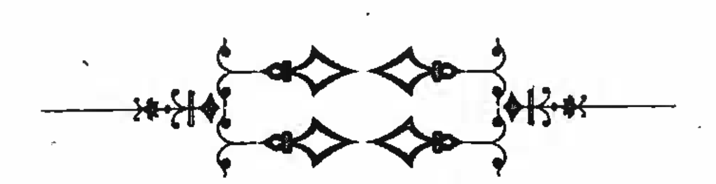
وقت کے کمانڈر انچیف کا گھر 279

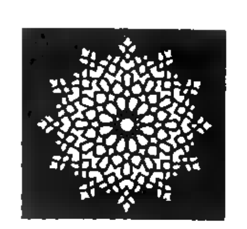
اُحد میں نبی علیہ السلام کے خود کی کڑی نکالنا 280

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق 281

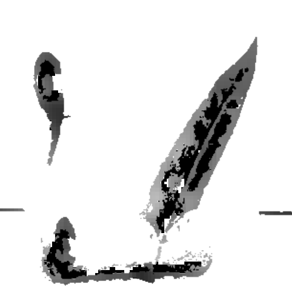
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات 281

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خراج عقیدت 282





مقدمہ



غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی پیغمبر کو ایسے مخلص اور جاں نثار ساتھی میسر نہ آسکے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔

صحابہ کرام وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی شان اور عظمت اللہ رب العزت نے اپنے کلام قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ کہیں ان کے ایمان کی گواہی دی گئی، جیسا کہ فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾
(الانفال:۴)

''یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے اور باعزت رزق ہے۔''

کہیں ان کی سچائی بیان کی گئی، جیسا کہ فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾ (الحجرات:۱۵)

''وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔''

اور کہیں ان کو امت کے بہترین افراد قرار دیا گیا، فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (آل عمران:۱۱۰)

”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔“

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث میں بھی ان مقدس ہستیوں کی شان اور فضیلت کو بیان فرمایا، ایک حدیث میں ہے:

(خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ يَلُونِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.)
(صحیح مسلم، حدیث:۲۵۳۲)

”میری امت کے بہترین اشخاص وہ ہیں جن کے درمیان میری بعثت ہوئی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) جو ان کے بعد آئیں (تابعین)، پھر جو ان کے بعد آئیں (تبع تابعین)۔“

ایک اور حدیث میں فرمایا:

(لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ.)
(صحیح مسلم، حدیث:۲۵۴۰)

”میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو، اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ

میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد (مٹھی) غلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے ذریعے یہ دین، یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے اور قرآن کریم کی اولیں مخاطب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

لیکن اس کے باوجود آج دنیا میں ایسے ایسے لوگ ظاہر ہو چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیاں بھی ان کی زبانی درازی سے محفوظ نہیں رہیں۔

آج ہماری نوجوان نسل کے ذہنوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بغض داخل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

آج ہماری نوجوان نسل کے دل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام اور اعتبار ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

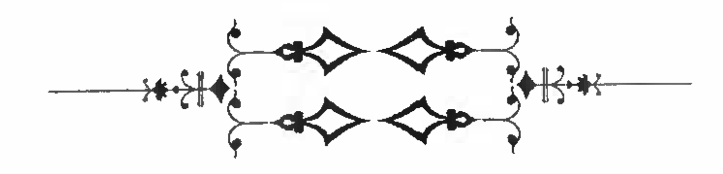
اس لیے آج اس بات کی ضرورت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان، ان کا مقام اور ان کی عظمت کو منبر ومحراب سے خوب بیان کیا جائے تا کہ کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا ہمارے نوجوانوں کے دلوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر ختم نہ کر سکے۔

اسی بات کے پیش نظر ہمارے حضرت جی محبوب العلماء والصلحاء شیخ العرب والعجم مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ دس صحابہ جن کا نام لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا جنتی ہونا بیان فرمایا ہے، ان کے مختصر حالات زندگی، ان کی عظمت اور شان کو اپنے مختلف بیانات میں ذکر فرمایا۔ جن کو کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، تا کہ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کا فیض بھی لوگوں تک پہنچ سکے۔

یہ بیانات کوئی روایتی تقریریں نہیں، بلکہ حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کے دل میں صحابہ کا جو عشق ومحبت ہے اس کا اظہار ہے۔ جو بھی ان بیانات کا مطالعہ کرے گا ان شاء اللہ اس کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت مزید بڑھے گی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی رضا ولقا کا ذریعہ بنائے، جن حضرات نے اس کتاب کی تیاری میں محنت وکوشش کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی



1

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَبُو بَکْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَیْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِیْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اعتکاف کے بیانات: ①

اعتکاف کے ان دنوں میں عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بیانات ہوں

گے۔ دل میں یہ خیال آیا کہ وہ ہستیاں جن کو اس دنیا میں جنت کی بشارت مل گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے جن کو جنتی ہونے کی بشارت عطا فرما دی ان کی زندگیوں کے حالات جاننا ہم میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔

صحابی کی تعریف:

جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایمان کے ساتھ تھوڑی دیر کی صحبت پائی وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابی صحبت سے ہے، صحابی ہونا ایک رتبہ ہے جو ولایت کا اعلیٰ ترین رتبہ ہے، اس سے اوپر کوئی رتبہ نہیں ہوسکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک لمحہ کی جو زیارت تھی وہ انسان کے اندر سے کفر و شرک کو ختم کر کے رکھ دیتی تھی اور وہ انسان اتنے اونچے مرتبے پہ پہنچ جاتا تھا کہ جس مرتبے پہ کوئی دوسرا آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا۔ کوئی شخص کتنی ہی عبادت کر لے، روزے رکھے، نمازیں پڑھے، تلاوت کرے، نیکی تقویٰ اختیار کرے، لیکن صحابی نہیں بن سکتا، چونکہ صحابی کو صحبت حاصل تھی، لہٰذا اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوسکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا مجموعہ:

جن خوش نصیب حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بنتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے حبیب! کتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء آئے۔

((سنن کبریٰ للبیہقی، حدیث:۱۸۱۶۶))

چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام آئے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ بنے۔ اب اس میں نکتے کی بات کیا ہے؟ وہ یہ کہ جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان تمام کے کمالات اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع فرما دیے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے کمالات کے

جامع تھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سارے کمالات آپ کے شاگردوں میں منتقل ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر صحابی کسی نہ کسی نبی کی نسبت کا امین بنا، وارث بنا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند:

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(اَصْحَابِي كَالنُّجُومِ ، فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُم اِهْتَدَيْتُم.)

(جامع الاصول، حدیث:۶۳۶۹)

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پہ آ جاؤ گے۔''

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں:

محدثین نے فرمایا:

''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُولٌ.'' (التلخیص الحبیر لابن حجر، ج۳، ص۴۰۵)

''صحابہ جتنے بھی ہیں سارے کے سارے عادل ہیں۔''

ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث مبارکہ کی روایت کا منصب خود عطا کیا، ارشاد فرمایا:

(بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو آيَةً) (سنن ترمذی، حدیث:۲۶۶۹)

''جو بات مجھ سے سنو تم اس کو آگے دوسروں تک پہنچاؤ، اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ مرتبہ دیا اب کسی صحابی کے بارے میں کوئی بندہ تنقید کی بات نہیں کرسکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جرح و تعدیل سے مستثنیٰ:

یہ جو محدثین نے بندے کو پرکھنے کے اصول بنائے جن کو جرح اور تعدیل کے قوانین کہا جاتا ہے، یہ سارے کے سارے صحابہ کے بعد اپلائی ہوتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی بندہ

صحابی نہیں تو اس کو ان اصولوں کے اوپر پرکھا جائے گا، اور جو صحابی ہے ان کو پرکھنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس کو تو سند نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرما دی، ہم کون ہوتے ہیں پرکھنے والے؟

کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مجہول نہیں:

اسی لیے اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی ایک بندہ ایسا ہو کہ جس کے حالات کا صحیح علم نہ ہو تو اس کو مجہول کہتے ہیں۔ یعنی اس بندے کا پتہ نہیں ہے، اور ایسا بندہ روایت میں آنے سے حدیث کی سند کمزور ہو جاتی ہے اور وہ کمزور سمجھی جاتی ہے کہ جی ایک بندہ اس میں سے مجہول ہے، لیکن اگر وہ بندہ صحابی ہو اور یہ کہہ دیا جائے کہ وہ صحابی تھا تو محدثین کہتے ہیں کہ پھر سند کمزور نہیں ہوگی، کیونکہ اگر چہ حالات کا پتہ نہیں، لیکن اگر صحابی تھا تو صحابی کی وجہ سے یہ نسبت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اس میں کوئی ضعف نہیں آتا۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے

اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کو وہ عظمت عطا فرمائی تھی کہ ان کو فرشتوں کے سلام آتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بہترین جماعت:

اس لیے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ان تمام کے صحابہ میں سب

سے بہترین جماعت اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی جماعت جیسی جماعت پوری دُنیا میں کہیں اور نہیں۔ چنانچہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین جماعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ہے۔

راہِ صحابہ، راہِ نجات:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں کے یعنی بنی اسرائیل کے بہتر فرقے بنے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے اور ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! جو نجات پائے گا، جو فرقہ ناجی ہوگا اس کی پہچان کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَا اَنَا عَلَیہِ وَاَصحَابِی) (سنن ترمذی،:۲۶۴۱)

''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

یعنی جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں، جو اس راستے پر چلنے والا ہوگا وہ نجات پانے والا فرقہ ہوگا، اس لیے ہم اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہلواتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کون؟

اہل سنت والجماعت کا کیا مطلب؟ یعنی جو عمل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے ہم اس کی بھی پیروی کرتے ہیں اور جو عمل صحابہ کی جماعت سے ثابت ہے وہ بھی ہمارے لیے حجت ہے، ہم اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کا معیار:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لیے معیار ایمان ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرۃ:۱۳۷)

''اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہ راست پر آجائیں گے۔''

اللہ قرآن میں ان کو ایک معیار کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔ تو ہمارے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ ایمان ہیں، ہم ان کی اقتدا کرنے کے پابند ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید:

آج کے زمانے میں بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے اوپر تنقید کرتے ہیں، فلاں نے یہ کیا، فلاں نے یہ کیا، فلاں نے یہ کیا، اور جب بھی آپ ان سے بات کریں گے تو وہ ہمیشہ تاریخ کا سہارا لیں گے، اوجی! تاریخ میں یہ لکھا ہے۔ بھئی! آپ بتائیے کہ قرآن اور حدیث کی ایک سند ہے، ایک حجت ہے، ایک وزن ہے، تاریخ کا کیا وزن ہے؟ لکھنے والے مؤرخ نے کوئی بات کہیں سے سنی تو لکھ دی، اور یہ بھی عجیب بات کہ چار بڑے مؤرخ گزرے جن میں سے تین غلط عقائد رکھنے والے تھے، تو انہوں نے سنی سنائی باتیں ایسی جمع کر دیں کہ جن کو پڑھ کر عام آدمی بہک جاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کا سادہ جواب:

اس لیے ایک اصول کی بات یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی بندہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بات کرے وہ ہمیشہ کہے گا کہ جی! ہم ان کو تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ آپ اس کو سادہ سا جواب دیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن اور حدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں، ہمارے نزدیک تاریخ کوئی حجت نہیں ہے، کوئی Authenticity (مضبوطی) نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث اصل ہے، ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس معیار پہ پرکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امتحان میں کامیاب:

جب اس معیار پر پرکھیں گے تو اللہ کا حکم نظر آئے گا کہ اللہ نے ان کا امتحان لیا:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (الحجرات:۳)

''یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے۔''

اور وہ سارے کے سارے اس امتحان میں کامیاب ہونے والے تھے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (البینۃ:۸)

''اللہ ان سے خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش ہوں گے۔''

وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی ہو گئے۔ اب جس جماعت سے اللہ راضی ہو گئے اس جماعت کی اقتدا کرنا ہمارے لیے سعادت نہیں تو اور کیا ہے؟

تاریخ بننے سے پہلے ماننا کمال ہے:

ایک بات اور ذہن میں رکھیے کہ چڑھتے سورج کی پوجا تو ہر کوئی کر لیتا ہے، آسان کام ہے۔ جب تاریخ بن جاتی ہے تو پھر ساری دنیا مان لیتی ہے، جیسے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیاری زندگی گزاری، آج کفار بھی ان کی نعتیں لکھتے ہیں، ہندو بھی نعت لکھتے ہیں، سکھ بھی نعتیں لکھتے ہیں، انگریز بھی ان کے بارے میں نعتیں لکھتے ہیں۔ چونکہ تاریخ بن چکی ہے اس لیے آج دنیا ان کو مانتی ہے، لیکن جب تاریخ نہیں بنی ہوتی اس وقت مان لینا یہ بڑا عظیم کام ہوتا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خوبی:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی جو خوبی ہے وہ یہ کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو

اس وقت نبی مانا جب کوئی اور ماننے والا نہیں تھا۔ ویسے تو نبی ﷺ پر سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئیں، مگر وہ بیوی تھیں اور لوگ کہتے ہیں کہ جی بیوی کا بات مان لینا کون سی بڑی بات ہے؟ وہ تو خاوند کی بات مانتی ہی ہے، لہٰذا اس کا ایمان لانا کوئی وزن نہیں رکھتا۔

پھر اس کے بعد نبی علیہ السلام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے، مگر وہ نبی علیہ السلام کے چچا کے بیٹے بھی تھے اور نبی علیہ السلام نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا، تو گھر کا پلا ہوا بچہ تو بات مان ہی لیتا ہے، اس کا بات ماننا کون سی بڑی بات ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ ایمان لائے، وہ غلام تھے اور غلام اپنے آقا کی بات مانتا ہی ہے، یہ کون سی انوکھی بات ہوئی؟

پھر اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ کوئی گھر کے بچے تھے، نہ کوئی رشتے دار تھے، نہ کوئی غلام تھے، بلکہ معاشرے کے ایک آزاد انسان تھے، جن کی معاشرے کے اندر بہت عزت تھی، جن کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا، جن کو معاشرے میں Respect (عزت) دی جاتی تھی، ان کا ایمان لانا یہ واقعی ایک بڑی بات تھی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اول مومن: (۱)

اس لیے علماء اس بات پر متفق ہوئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لانے میں سب سے آگے نکل گئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''میں نے جس پر اسلام کو پیش کیا اس نے قبول کرنے میں تردُّد کیا، سوائے ابو بکر کے، کہ انہوں نے بلا تردُّد قبول کر لیا۔'' (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۰۱۶۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مشورہ کروں گا، اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو مرنے مارنے پہ تل گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جس پر بھی ایمان کو پیش کیا وہ تذبذب کا شکار ہوا، تردُّد کیا، سوائے ابوبکر کے، ابوبکر کو جب میں نے اسلام پیش کیا اس نے بغیر کسی تردُّد کے اس کو قبول کرلیا، اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

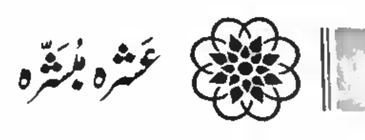
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کمالِ ایمان کی ایک اور وجہ:

اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نبی علیہ السلام سے تقریباً صرف دو سال چھوٹے تھے، یعنی ہم عمر تھے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا Age Group (عمر کا گروہ) ایک ہی تھا۔ چنانچہ ایک Age Group کے بچے آپس میں تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا بچپن سے ان کا نبی علیہ السلام کے ساتھ دوستانہ تھا، آپس میں اکٹھے بیٹھتے تھے، باتیں کرتے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ طبیعت ملتی تھی۔ وہ بچپن سے نبی علیہ السلام کو دیکھتے تھے، جانتے تھے اوران کے دل میں نبی علیہ السلام کی عزت بیٹھی ہوئی تھی، احترام بیٹھا ہوا تھا۔

اسلام سے پہلے وزیر بننے کی بشارت:

ایک مرتبہ شام کے سفر پر گئے تو وہاں ایک راہب سے ملاقات ہوئی، اس راہب نے ان کو بتایا کہ تو ایک آنے والی بڑی ہستی کا وزیر بنے گا۔ انہوں نے خواب دیکھا تھا، اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس نے بتایا کہ تو کسی بڑی ہستی کا جانشین بنے گا، خلیفہ بنے گا، توصدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تذکرہ کیا کہ اے اللہ کے حبیب! آپ نبوت کا دعویٰ فرماتے ہیں، میں نے قبول تو کرلیا، مگر اس کی دلیل کیا ہے؟ جیسے بندہ



کہتا ہے ناں:

﴿وَلٰكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ﴾ (البقرۃ:۲۶۰)

''تا کہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔''

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے اللہ! مانتا تو ہوں، صرف دل کی تسلی کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ شام میں جو تو نے خواب دیکھا تھا وہ خواب میری دلیل کے لیے کافی ہے، لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور مضبوط ہو گیا۔

(الخصائص الکبریٰ، ج۱، ص۵۱)

صدیق کی وجہ تسمیہ:

ان کا نام ابوبکر تھا اور ان کا نام صدیق بھی مشہور ہوا، اس لیے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر فوراً تصدیق کر دی۔

﴿وَالَّذِىۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ﴾ (الزمر:۳۳)

''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئیں اور خود بھی اسے سچ مانیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ کو لے کر آئے اور سچ کی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تصدیق فرمائی۔

اور ایک روایت میں ہے:

''يَا اَبَا بَكْرٍ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمَّاكَ الصِّدِّيقَ'' (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج۸، ص۳۳۲)

''اے ابوبکر! بے شک اللہ نے آپ کا نام صدیق رکھا ہے۔''

عتیق کی وجہ تسمیہ:

ان کا لقب عتیق تھا، عتیق کے کئی معانی آتے ہیں، ایک معنی ہے آزاد کیا ہوا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(اَنتَ عَتِیقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ.) (صحیح ابن حبان، ج۹، ص ۴)

''تم جہنم سے آزاد ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی والدہ کے بچے پیدا ہوتے تھے جو زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہتے تھے، جلدی فوت ہو جاتے تھے۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیٹ میں تھے تو آپ کی والدہ نے بیت اللہ شریف کے پاس جا کر اللہ سے یہ دعا مانگی:

''اے پروردگار! اگر میرا یہ فرزند موت سے آزاد ہے تو یہ مجھے عطا فرما دے۔''

تو اس کے بعد آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۲)

عتیق نام کی دوسری وجہ:

بعض فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کے پیچھے ایک بڑا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ان کے جو والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ تھے وہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کی پوجا کرتے تھے، مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی بت کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ اب بیٹا جوان ہو گیا، لیکن وہ ایک مرتبہ بھی باپ کے ساتھ بت خانے میں بت کی پوجا کرنے کے لیے نہیں گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر گئے کہ بیٹا! چل میرے ساتھ بت کی پرستش کرنے کے لیے۔ اب چونکہ والد تھے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور والد کے ساتھ وہاں چلے گئے، والد نے بت کی پرستش کی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک طرف کھڑے رہے، پھر والد نے کہا کہ بیٹا! اب تم اس بت کی پوجا کر لو جیسے میں نے مناجات کی ہے، جیسے لوگ قبروں کو جا کر سجدے کرتے ہیں، وہ لوگ بھی بت کو سجدہ کرتے تھے دعائیں مانگتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ابا جان! آپ کے سامنے یہ کرتے ہوئے مجھے شرم آئے گی، حیا آئے گی، میں اکیلا ہوں گا تو کر لوں گا۔ اب والد ذرا دور

چلے گئے اور کہا: اچھا بیٹا! میں دور چلا جاتا ہوں تم کرلو، جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ والد دور چلے گئے تو وہ اس کمرے میں گئے جہاں بت تھا اور اس بت کو جا کر کہا کہ تم میری بات کو سن رہے ہو؟ میری مناجات کو سن رہے ہو؟ کوئی جواب نہیں آیا۔ انہوں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میری بات کو نہیں سنتے، تم بہرے ہو۔ اچھا تم مجھے کھانا دو، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ فرمایا: اس کا مطلب یہ کہ تم میرے رازق نہیں ہو، نہ تم نے مجھے پیدا کیا ہے، نہ میں تمہاری پرستش کرتا ہوں، یہ کہہ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو غصہ آیا انہوں نے پتھر اٹھایا اور اس بت کو توڑ دیا۔

اب تھوڑی دیر کے بعد ان کے والد آئے تو بیٹا تو جا چکا تھا، انہوں نے کمرے میں دیکھا تو ان کا جو بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے وہ ٹوٹا پڑا تھا، کان ٹوٹا ہوا ہے، آنکھیں ٹوٹی ہوئی ہیں، بازو ٹوٹا ہوا ہے، پتھر سے اس بت کو توڑ دیا تھا۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو بڑا غصہ آیا کہ میرے بیٹے نے اس کی پرستش کرنے کی بجائے الٹا اس کو توڑ دیا اور چلا گیا۔

چنانچہ وہ غصے میں گھر آئے اور کہنے لگے کہ ابوبکر کہاں ہے؟ ابوبکر کہاں ہے؟ آگے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ کھڑی تھیں، انہوں نے پوچھا: کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس نے کہا: دیکھو! وہ میرے ساتھ گیا تھا اور بت کی پرستش کرنے کی بجائے اس نے الٹا بت کو توڑ دیا۔ والدہ نے کہا کہ توڑ دیا تو کیا ہوا؟ تم میرے بیٹے کو کچھ نہیں کہہ سکتے، اس بیٹے کی بڑی شان ہے، بڑا مرتبہ ہے۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم یہ کیا بات کر رہی ہو؟ اس نے کہا کہ جب میں حاملہ تھی تو میرے بیٹے چونکہ پہلے فوت ہوتے رہتے تھے، مجھے اس بیٹے کی بڑی فکر تھی، ایک رات میں نے خواب دیکھا، خواب میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تیرا بیٹا جو پیدا ہوگا یہ عتیق ہوگا، یعنی یہ موت سے بچ جائے گا اور اس کا دنیا میں نام

صدیق ہوگا اور یہ آخری نبی کا رفیق ہوگا، یہ تین باتیں مجھے بتائی تھیں، اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میرے بیٹے کی بڑی شان ہوگی، تم میرے بیٹے کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ والد نے پھر اپنے بیٹے سے کوئی بات نہیں کی، اللہ نے ان کو زمانۂ جاہلیت میں بھی بت کی عبادت سے بچائے رکھا۔

ابوبکر آل ویدر فرینڈ:

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر موقع پر ساتھ دیا، آج تو لوگ Fare Weather Friend (اچھے حالات کے دوست) ہوتے ہیں، جب اچھا ہوتا ہے تو دوست ہوتے ہیں اور جب ذرا کسی پر مشکل آئے، امتحان آئے، مصیبت آئے تو ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، الگ راستہ اختیار کر لیتے ہیں، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ Fare Weather Friend نہیں تھے، بلکہ All Weather Friend (تمام حالات کے دوست) تھے، جب قریش کی دشمنی شروع ہوئی تو وہ قریش کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے ساتھ قریش کے کچھ لوگ بدتمیزی کر رہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ (غافر:۲۸)

”کیا تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟“

آیت پڑھی اور ان کو سمجھایا، لیکن لوگ نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مارنے لگ گئے، انہوں نے وہ تکلیف برداشت کر لی مگر نبی علیہ السلام کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

(سیرت حلبیہ، ج۱، ۴۷۳)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خصوصی اعزاز:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چار نسلیں صحابی ہیں، یہ اعزاز صرف انہی کو حاصل ہے، ان کے والد بھی صحابی، وہ خود بھی صحابی، ان کے بیٹے بھی صحابی اور ان کے پوتے بھی صحابی، تو ان کی چار نسلیں صحابی تھیں۔ آپ اندازہ لگایئے! اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کیسی بڑی نعمت عطا فرمائی تھی۔!!!!

فضائل ابو بکر رضی اللہ عنہ میں احادیث کی تعداد:

حدیث کی کتابوں میں ان کے فضائل کے متعلق ایک سو اکیاسی احادیث موجود ہیں، جن میں اٹھاسی احادیث ایسی ہیں جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کے فضائل ہیں اور چودہ احادیث ایسی ہیں جن میں خلفاء اربعہ کے فضائل ہیں، باقی تمام احادیث میں صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل موجود ہیں۔ ایک سو اکیاسی احادیث، اگر ایک حدیث بھی ہو جاتی تو کافی تھی، چہ جائیکہ ایک سو اکیاسی حدیثیں ان کی شان میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے وارد ہوئی ہوں۔

لفظ ''ابو بکر'' کی تحقیق:

ابو بکر کا لفظ بتا رہا ہے کہ وہ درجے میں سب صحابہ سے اعلیٰ تھے، لفظ ''ابو بکر'' کا جو مادہ ہے وہ ''ب، ک، ر'' ہے، چنانچہ جس لفظ کا بھی یہ مادہ ہوتا ہے اس لفظ کا مطلب ہوتا ہے: ''سب سے آگے''۔ جیسے لفظ ''باکورہ'' موسم کا جو پہلا پھل ہو اس کو کہتے ہیں۔ ''بکرہ'' آنے والے دن کا جو پہلا حصہ ہوتا ہے اس کو بکرہ کہتے ہیں۔ ''باکرہ'' وہ لڑکی جس نے اپنے خاوند کو نہیں دیکھا اس کو باکرہ کہتے ہیں، لہٰذا ''ب، ک، ر'' یہ مادہ جس لفظ کا بھی ہوگا اس کا معنی ہوگا: سب سے آگے۔ چنانچہ ابو بکر کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

دنیا میں سب صحابہ سے آگے فرما دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جامع القرآن:

انہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا نام مصحف رکھا، پھر انہوں نے قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کیا، یہ کارنامہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا۔ نبی علیہ السلام کے زمانے میں سولہ کے قریب وحی لکھنے والے صحابہ تھے، جب وحی اُترتی تھی تو ان میں سے جو صحابی موجود ہوتے تھے نبی علیہ السلام ان کو لکھنے کا حکم فرما دیتے تھے۔ کبھی لکڑی کے اوپر کبھی چمڑے کے اوپر کبھی کسی اور چیز کے اوپر وہ آیات کو لکھ لیا کرتے تھے اور جس چیز پر آیات کو لکھ لیا جاتا تھا وہ محفوظ کر لیتے تھے۔

جب نبی علیہ السلام کی وفات مبارکہ ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ اس پورے قرآن مجید کے جو پارچات ہیں، جو چیزیں ہیں، ان سب کو اکٹھا کروا لیں اور ان کو حکومتی تحویل میں لے لیں۔ پہلے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام نبی علیہ السلام نے نہیں کیا میں کیوں کروں؟ پھر بعد میں انہوں نے ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی، وہ حافظ قرآن تھے، ان کے ساتھ پانچ چھ اور حفاظ کی بھی ڈیوٹی لگائی کہ آپ حافظ لوگ ہیں، آپ مختلف لوگوں کے پاس جو لکھی ہوئی چیزیں موجود ہیں ان سب چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دو۔

چنانچہ وہ آیات کو پڑھتے تھے، دیکھتے تھے اور اپنے حافظے کے ساتھ اس کو ملاتے تھے اور پھر اس کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے، تو ان پارچات کو ایک جگہ اکٹھا کروا دینا یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بڑا کارنامہ ہے، یعنی قرآن مجید اب مختلف ہاتھوں میں نہیں رہا، مختلف لوگوں کے پاس نہیں رہا، بلکہ حکومتی تحویل میں آ گیا۔

پھر یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں رہا، جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا، ان کی وفات کے بعد سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ (صحیح بخاری، حدیث:۴۹۸۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ناشر القرآن:

پھر ایک وقت آیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان پارچات سے ساری عبارتوں کو اور آیات کو چمڑے کے اوپر منتقل کروادیا، لکھوادیا اور اس کو کتابی شکل دے دی، یہ قرآن مجید کی پہلی کتابی شکل تھی۔ انہوں نے سات کتابیں لکھوائیں اور ان کو دنیا کے مختلف ملکوں کے اندر پہنچادیا، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جامع القرآن بنے اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ناشر القرآن بنے، اللہ نے ان سے قرآن مجید نشر کرانے کا کام لیا۔

ہر ایک کی تلاوت کا ثواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو:

لہٰذا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا ثواب ملا، چنانچہ آج ہم میں سے کوئی بندہ بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو جہاں تلاوت کرنے والے کو ثواب مل رہا ہوتا ہے وہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ثواب ملتا ہے، کیوں کہ قرآن کی حفاظت میں ان کا عمل موجود ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت:

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ بنے، نبی علیہ السلام کے جانشین بنے اور ان کو اپنے والد کی زندگی میں خلافت ملی، پھر انہوں نے اپنی خلافت کے دور میں اپنا ولی عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود متعین فرمایا، سب سے پہلے بیت المال کو انہوں نے قائم کیا اور ان کو خلیفۂ رسول کہا گیا۔ لقب ان کا عتیق ہوا، ایک لقب ان کا صدیق بھی تھا، اور ان کی ایک خوبی

یہ بھی تھی کہ نبی علیہ السلام نے بتلایا کہ میرے بعد سب سے پہلے امت میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنت کے اندر داخل ہوں گے۔

معیت کبریٰ کا مقام:

ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ معیت کبریٰ کی نسبت حاصل تھی، نبی علیہ السلام جب غار ثور میں تھے تو قرآن مجید کی آیتیں اتریں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ:۴۰)

''اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

تو ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہوگئی۔ دیکھیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں اور ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں، دونوں کھڑے ہیں اور ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الشعراء:۶۲)

''یقیناً میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا۔''

تو ان کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام نے ''مَعِیَ رَبِّی'' کا لفظ کہا، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی نہیں تھے بلکہ نبی علیہ السلام کے غلام تھے، مگر غلام ایسے تھے کہ نبی علیہ السلام نے غلام کی موجودگی میں ''مَعِیَ رَبِّی'' کا لفظ نہیں استعمال کیا، بلکہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ:۴۰)

''اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

یہ معیت کی جو شان ہے یہ صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔

ہر جگہ نبی علیہ السلام کا ساتھ:

چنانچہ ہر جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے ساتھ تھے، بدر میں بھی ساتھ، احد میں بھی ساتھ، خندق میں بھی ساتھ، زندگی میں بھی ساتھ اور اپنی وفات کے بعد حجرہ مبارک میں دفن ہونے میں بھی ساتھ تھے اور جنت میں بھی ان شاء اللہ ساتھ ہوں گے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نبی علیہ السلام والے القابات:

پھر قرآن مجید کے القابات دیکھیے جو نبی علیہ السلام کے لیے وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اَنَا اَتقیٰ وُلدِ آدَمَ وَاَکرَمُھُم عَلَی اللّٰہِ وَلَافَخرَ.)

(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۲۶۷۴)

''میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں اور عزت والا ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔''

تو نبی علیہ السلام نے اپنے آپ کو 'اَتقی'' فرمایا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے قرآن مجید میں 'اَتقی' فرمایا، ارشاد فرمایا:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾ (اللیل: ۱۸،۱۷)

''اور اس سے ایسے پرہیزگار شخص کو دور رکھا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے۔''

سب مفسرین متفق ہیں کہ یہ ''اتقی'' کا لفظ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے اترا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راضی کرنے کی بشارت:

پھر اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کی بشارت قرآن مین دے دی کہ اے

میرے محبوب!

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (الضحیٰ:۵)

''تیرا رب تجھے اتنا دے گا اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''

یعنی اتنا دے گا کہ تو بس بس کرے گا کہ اے اللہ! بہت ہے بہت ہے۔ تجھے اللہ راضی کر دے گا، اللہ اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسے اپنی رضا کا اعلان نبی علیہ السلام کے لیے فرمایا اسی طرح اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ (اللیل:۲۱)

''ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔''

یعنی وہ بھی آخرت میں راضی کر دیا جائے گا، اب دیکھیے! جو رضا کا اعلان اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا وہی رضا کا اعلان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہوا۔

نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا معاملہ:

پھر نبی علیہ السلام کے جو ساتھی تھے صحابہ تھے، وہ اللہ کے محب بھی تھے محبوب بھی تھے، اور اللہ ان سے راضی بھی تھے، اللہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایسا معاملہ کیا، ارشاد فرمایا:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدة:۵۴)

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

وہ اللہ سے محبت کریں گے اللہ ان سے محبت کریں گے، یہی بات نبی علیہ السلام کے صحابہ کے لیے اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

پھر نبی علیہ السلام کے صحابہ کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

''وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔''

یہ کفار کے اوپر تو شدید مگر آپس میں رحیم و کریم ہیں، یہ صحابہ کی صفت اللہ نے قرآن میں بیان کی، اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جو ساتھی تھے ان کی صفت اللہ بیان فرماتے ہیں:

﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔''

وہی صفت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے لیے اللہ بیان فرماتے ہیں۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بخاری شریف کی روایت ہے، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ السلام سے بیعت کی اس بات پر:

(لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ) (سنن ابن ماجہ، حدیث:۲۸۶۶)

''اللہ کے معاملے میں ہمیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروانہیں۔''

یہ صحابہ کی شان تھی اور یہی شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی تھی، ان کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کرتے تھے۔''

پھر جہاں نبی علیہ السلام کے دنیا میں تشریف آوری کا تذکرہ ہوا تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○﴾
(الجمعہ:۴)

''یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا جہاں قرآن مجید میں اللہ نے تذکرہ کیا کہ وہ مرتدین کے ساتھ قتال کریں گے، ان کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ جس کو چاہے عطا فرما دیتا ہے۔''

یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ یعنی جو ''فضل'' کا لفظ نبی علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا وہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال ہوا۔

''ثانی اثنین'' کا خطاب:

پھر آپ کے لیے ''ثانی'' کا لفظ استعمال ہوا کہ جب آپ غار میں تھے تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ (التوبۃ:۴۰)

''جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے۔''

دو میں سے دوسرے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، یعنی نبی علیہ السلام پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسرے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے اور نبی علیہ السلام دوسرے:

یا جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے وہاں نبی علیہ السلام دوسرے، یہ بات عجیب لگے گی، مگر ایسا ہوا۔

سن 9 ہجری میں حج فرض ہوا اور پہلے سال نبی علیہ السلام نے ابوبکر صدیق ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا، تو ابوبکر صدیق ؓ امیر حج بننے میں اول نمبر پر، پھر اس کے دوسرے سال نبی علیہ السلام نے آخری حج فرمایا اور نبی علیہ السلام خود امیر بنے، تو حج کا امیر بننے میں ابوبکر صدیق ؓ پہلے اور نبی علیہ السلام دوسرے۔

اسی طرح ایسی نماز بھی زندگی میں پیش آئی کہ ابوبکر صدیق ؓ نے نماز شروع کروائی اور دو رکعتیں پڑھائیں اور دوسرے والی دو رکعتیں اللہ کے محبوب ﷺ نے آ کر پڑھائیں، تو ابوبکر ؓ اس نماز کی امامت میں پہلے اور نبی علیہ السلام دوسرے۔

غار میں داخل ہونے میں ابوبکر صدیق ؓ پہلے اور نبی علیہ السلام دوسرے، تو جہاں ابوبکر صدیق ؓ پہلے نبی علیہ السلام دوسرے اور جہاں نبی علیہ السلام پہلے ابوبکر صدیق ؓ دوسرے ہیں۔ اسلام میں نبی علیہ السلام پہلے اور ابوبکر صدیق ؓ دوسرے۔

پھر اسی طرح دیکھیے کہ پوری زندگی نبی علیہ السلام جہاں جاتے تھے ابوبکر صدیق ؓ ساتھ رہتے ہیں، حتی کہ گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کے لیے اللہ کے نبی ﷺ پہلے ہیں اور ابوبکر صدیق ؓ دوسرے ہیں۔ وہ دو میں سے دوسرے تھے، ان کو اللہ نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کیسی نسبت عطا فرمائی تھی!

ابوبکر ؓ کا مقامِ صحابیت:

اسی لیے فرمایا:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ (التوبۃ:۴۰)

”جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے۔“

اب یہاں بعض لوگ جو مخالفین ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ تو نبی کے ساتھی تھے، اصل میں

وہ صحابی کا رتبہ گھٹانے کے لیے اس طرح کہتے ہیں، او جی! صحابی کا کیا ہوتا ہے؟ وہ تو یوسف علیہ السلام کے بھی جیل میں ساتھی تھے۔ بھئی! یوسف علیہ السلام کے ساتھی تھے جیل میں، تو ان کو فرمایا:

﴿يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ (یوسف:۳۹)

''اے میرے جیل کے ساتھیو!''

سمجھ رہے ہیں ناں! سیدنا یوسف علیہ السلام نے کیا کہا؟ اے میرے جیل کے ساتھیو! تو جیل کا ساتھی تو کافر بھی ہوسکتا ہے، جیل کا ساتھی بننے کے لیے ایمان تو ضروری نہیں ہے ناں۔ اس لیے فرمایا: ''اے میرے جیل کے ساتھیو!'' اور یہاں پر اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں کہ

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ (التوبۃ:۴۰)

وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے۔ تو اپنے ساتھی کہنے میں مرتبہ ہی کچھ اور بنتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام جیسی صفات:

پھر نبی علیہ السلام کی صفت قرآن مجید میں بیان کی گئی:

﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبۃ:۱۲۸)

''مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔''

یعنی نبی علیہ السلام رؤف اور رحیم تھے، ان کے اندر رأفت اور رحمت بہت زیادہ تھی اور یہی بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمائی:

(اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۹۰)

''میری امت میں سب سے زیادہ میری امت کے ساتھ رحمت کرنے والا ابوبکر ہے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

(اَرْأَفُ اُمَّتِي بِاُمَّتِي اَبُوبَكْرٍ) (مسند ابی یعلی، حدیث: ۵۷۶۳)

''میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رأفت رکھنے والا ابوبکر ہے۔''

نبی علیہ السلام کے ساتھ لقب میں مشابہت:

پھر نبی علیہ السلام کو صحابہ پکارتے تھے: ''یارسول اللہ!'' (اے اللہ کے رسول!) اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پکارتے تھے: ''یا خلیفۃ رسول اللہ!'' (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ!)

تو دیکھیے! آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کہلاتے تھے۔

نبی علیہ السلام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انعام میں برابری:

جب ہجرت کے سفر پر نکلے تو نبی علیہ السلام کے لیے کفار مکہ نے سو اونٹ انعام متعین کیے کہ جو ان کی پہچان بتائے گا اور پتہ بتائے گا ہم اس کو سو اونٹ دیں گے، اسی طرح انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی سو اونٹ انعام متعین کیا۔ جو انعام نبی علیہ السلام کے لیے مقرر ہوا وہی انعام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر ہوا۔

سوچ اور طبیعت میں مطابقت:

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جو سوچ تھی وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ سو فیصد ایک جیسی تھی، طبیعتیں ہوتی ہیں ناں، بعض نرم طبیعتیں ہوتی ہیں اور بعض گرم طبیعتیں ہوتی ہیں، تو نبی علیہ السلام کی جیسی طبیعت تھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طبیعت بھی بالکل اسی طرح تھی، سوچ بھی ایک جیسی تھی۔

چنانچہ سوال ہوا کہ بدر میں جو کافر قیدی بنے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے تو مشورہ دیا کہ سب کے سر کاٹ دیے جائیں، ہر بندے کو ان کے رشتے دار کے حوالے کریں اور ان کا رشتہ دار اس کو قتل کرے، اس لیے کہ یہ کفار اپنے کفر کے اوپر جمے ہوئے ہیں، اب ان کو زندہ رہنے کی کوئی اجازت نہیں ہونی چاہیے، مگر نبی علیہ السلام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب! ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے اور نبی علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا، ان کو کہا کہ تم لکھنا پڑھنا جانتے ہو، دس بندوں کو جو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا ہم اس کو آزاد کر دیں گے، تو جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سوچ تھی وہی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوچ تھی، بالکل ایک جیسی تھی۔

صلح حدیبیہ میں ایک جیسا موقف:

جب صلح حدیبیہ ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت بڑے غصے میں تھے کہ ہم اتنا جھک کر اور اتنا عاجز بن کر کیوں صلح کر رہے ہیں؟ ہمیں ان کے ساتھ لڑنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش میں آ گئے تھے اور نبی علیہ السلام سے پوچھنے لگ گئے: اے اللہ کے نبی! کیا ہم حق پہ نہیں ہیں؟ فرمایا: حق پہ ہیں۔ کیا ہمارے مرنے والے جنت میں نہیں جائیں گے؟ فرمایا: جائیں گے۔ کافروں کے جہنم میں نہیں جائیں گے؟ فرمایا: جائیں گے۔ پھر پوچھا:

''اتنی پستی کس لیے ہے؟''

پھر ہم اتنے پست ہو کر ان سے کیوں معاہدے کر رہے ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عمر! تو جانتا ہے میں اللہ کا رسول ہوں؟ اے اللہ کے حبیب! آپ اللہ کے رسول ہیں، میں مانتا ہوں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ میں وہی کام کرتا ہوں جس کا اللہ مجھے حکم دیتے ہیں؟ اے اللہ کے حبیب! جانتا ہوں۔ جب تو یہ جانتا ہے تو میں نے اللہ کے حکم سے یہ صلح حدیبیہ کا عمل کیا ہے، یہ سب میں نے اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ پھر وہ

واپس آئے، مگر طبیعت کے اندر غصہ تھا، آگے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مل گئے، انہوں نے وہی Question (سوال) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھے: ابوبکر! کیا ہمارے مرنے والے حق پہ نہیں؟ ہم حق پہ ہیں۔ کافر باطل پہ نہیں؟ باطل پہ ہیں۔ ہمارے مرنے والے جنت جائیں گے؟ ہاں! جنت میں جائیں گے۔ ان کے مرنے والے جہنم میں جائیں گے؟ ہاں! جہنم میں جائیں گے۔ پھر ہم اتنا پست ہو کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عمر! تمہیں پتہ نہیں کہ نبی علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں، وہ جو کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، لہٰذا اگر انہوں نے یہ صلح حدیبیہ کر لی ہے تو ہمیں اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ یعنی جو نبی علیہ السلام کی سوچ تھی وہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سوچ تھی۔ (سیرت مصطفیٰ کاندھلوی، ج ۲، ص ۸۱)

باغ فدک کا معاملہ ایک جیسا:

پھر انہوں نے ہر معاملے میں نبی علیہ السلام کی اتباع کی، خیبر کے قریب ایک باغ تھا جس کو باغ فدک کہتے ہیں، نبی علیہ السلام اس کی آمدنی بنو ہاشم کے جو نوجوان بچے بچیاں تھے ان کی شادی کروانے پر خرچ کرتے تھے، جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس باغ کو اسی کام کے لیے رکھا، وہ بھی اس باغ کی آمدنی کو بنو ہاشم کے نوجوان بچے اور بچیوں کی شادی کے لیے استعمال کرتے تھے۔

احکام شریعت میں مشابہت مزاج:

نبی علیہ السلام سے بنو ثقیف نے نماز کی چھوٹ مانگی تو نبی علیہ السلام نے نہیں دی تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے زکوٰۃ کی چھوٹ مانگی کہ زکوٰۃ ہم اپنے علاقے میں ادا کر دیں گے، بیت المال میں جمع نہیں کروائیں گے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت نہیں

دی، جو نبی علیہ السلام نے کیا وہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

بنو خزاعہ کے ساتھ نبی علیہ السلام نے غزوہ ذات السلاسل کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد وہ مرتد ہو گئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر ان کے ساتھ جنگ کی، یعنی جو کام نبی علیہ السلام نے کیا وہی کام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

نبی علیہ السلام کے زمانے میں جو امیر لشکر تھے وہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ہی امیر بنایا۔

نبی علیہ السلام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھاتے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے ان کو اٹھا کر اپنے کندے پہ بٹھالیا کرتے تھے، لہٰذا جو کام نبی علیہ السلام نے کیا وہی کام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

خاندانوں میں بھی مشابہت:

پھر ان کے خاندان کے لوگوں میں بھی مشابہت موجود تھی، چنانچہ نبی علیہ السلام کے داماد عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد بھی سابقین اولین میں سے تھے۔

نبی علیہ السلام کے داماد مہاجرین میں سے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد بھی مہاجرین میں سے تھے۔

نبی علیہ السلام کے داماد عثمان و علی عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اولاد کے اندر بھی مشابہت:

پھر آگے اولاد کے اندر بھی مشابہت تھی، چنانچہ نبی علیہ السلام کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار بنیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سب سے اونچے درجے کی بنیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساری دنیا کی عورتوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو باقی تمام کھانوں پر حاصل ہے۔'' (سنن ترمذی، حدیث: ۱۸۳۴)

لہٰذا نبی علیہ السلام کی بیٹی کو بھی اللہ نے ایک عظیم فضیلت عطا فرمائی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو بھی اللہ نے ایک عظیم فضیلت عطا فرمائی۔

پھر اور مشابہت دیکھیے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی غربت میں گزری ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پوری زندگی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی، مال بچتا ہی نہیں تھا، اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے، لہٰذا غربت میں زندگی گزاری، اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا گھر کے سارے کام خود کیا کرتی تھیں، ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے، اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کے اوپر بھی یہی حالات گزرے، وہ بھی گھر کے سارے کام خود کیا کرتی تھیں، اور ان کے بھی کام کر کر کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے، جو نبی علیہ السلام کی بیٹی کے ساتھ معاملہ پیش آیا وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

اولاد کی اولاد میں بھی یکسانیت:

پھر بیٹی کی آگے جو اولاد تھی ان کے حالات دیکھیے! اس میں بھی یکسانیت ہے۔ سیدہ

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لخت جگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت ملی تھی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت ملی۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شامی لوگوں نے نرغے میں لے لیا تھا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی حجاج کے ساتھیوں نے نرغے میں لے لیا تھا۔

پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے ان کے بھتیجے اور رشتے دار شہید ہوئے، اخیر میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ادھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کے دوست احباب رشتے دار پہلے شہید ہوئے اور اخیر میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

تو یہ مشابہت صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھی، یہ مشابہت اولاد میں بھی گئی اور آگے اولاد کی جو اولاد تھی اللہ نے اس میں بھی مشابہت ڈال دی، یہ معیت کا اثر ان کی آگے نسلوں تک چلا۔

اللہ کا معاملہ بھی ایک جیسا:

چنانچہ اللہ کا معاملہ بھی ایسے تھا، اللہ نے نبی علیہ السلام کو ''صَاحِبُکُم'' فرمایا، یعنی نبی علیہ السلام کے لیے قرآن مجید میں ''صَاحِبُکُم'' کا لفظ ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ''صَاحِبُکُم'' فرمایا۔

(صحیح بخاری، حدیث: ۳۶۶۱)

دونوں ایک ہی نماز کے امام:

پھر ایک ہی نماز کے امام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بنتے ہیں اور اسی کی دو رکعت کے امام

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنتے ہیں، ایک ہی نماز میں دونوں کو امام ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس لیے بھی اللہ نے ان دونوں کو آپس میں معیت عطا فرما دی۔

دونوں کو مجنون کہا گیا:

پھر نبی علیہ السلام کو دین کے لیے مجنون کہا گیا، اور حدیث میں آتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی مجنون کہا گیا:

(هٰذَا ابنُ اَبِی قُحَافَةَ الْمَجنُونُ) (مستدرک للحاکم، حدیث: ۴۴۲۴)

''یہ ابن ابی قحافہ تو مجنون ہے۔''

پناہ کا ایک جیسا معاملہ:

پھر نبی علیہ السلام جب طائف سے واپس آئے تو مطعم نے ان کو اپنی پناہ میں لیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہجرت حبشہ کے لیے گئے تو راستے سے ان کو ایک بندہ واپس لے آیا، اس کا نام ابن دغنہ تھا اور اس نے ان کو اپنی پناہ میں لیا۔ اِدھر نبی علیہ السلام کو بھی قریشی سردار نے پناہ دی اور اُدھر بھی قریشی سردار نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پناہ دی۔

اپنے اپنے محبوب کو تسلی دینا:

پھر اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو فرماتے ہیں: اے میرے محبوب!

﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ (الحجر: ۸۸)

''آپ ان کے اوپر غم نہ کیجیے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیاں دیتے ہیں، تو اللہ نے اپنے محبوب کو تسلی دی اور نبی علیہ السلام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی، فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ۴۰)

''آپ غم نہ کیجیے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اللہ اپنے محبوب کو تسلیاں دیتے ہیں اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صدیق کو تسلیاں دیتے ہیں، یہ معیت کبریٰ کا معاملہ کیسا عجیب ہے!!

سببِ وفات بھی ایک جیسا:

پھر دیکھو کہ نبی علیہ السلام کی جو وفات مبارکہ ہوئی اس کا ظاہری سبب زہر بن گئی، خیبر فتح ہونے پر ایک یہودی عورت نے کھانے کے لیے زہر آلود گوشت دیا تھا، نبی علیہ السلام نے اس گوشت کو چکھ لیا تھا اور اس کا زہر اثر کر گیا تھا اور وفات کے قریب اس زہر کا اثر بہت بڑھ گیا، بالآخر نبی علیہ السلام کی وفات ہوگئی، تو اس اعتبار سے وفات زہر کی وجہ سے ہوئی تھی۔

یہی معاملہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، ان کو بھی زہر دیا گیا تھا اور موت کے وقت ان پر زہر کا اثر بڑھ گیا تھا اور وہی ان کی وفات کا ظاہری سبب بنا تھا۔

عمر میں برابری:

پھر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت عمر مبارک تریسٹھ سال تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اڑھائی سال چھوٹے تھے، پھر آپ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور ان کی خلافت کی مدت اڑھائی سال رہی، جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر بھی تریسٹھ سال ہی تھی، تو یہ معیت کبریٰ کا عجیب معاملہ ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ بارِ نبوت کے متحمل:

کتابوں میں لکھا ہے کہ ہجرت کی رات نبی علیہ السلام پہاڑ کے اوپر چڑھتے ہوئے پنجوں کے بل چڑھنے لگے تاکہ پورے Foot Step (قدم) کا نشان نہ لگے اور کافر ہمیں Trace (پیچھا) نہ کرسکیں کہ ہم کہاں ہیں؟ چنانچہ جب پنجوں کے بل چل رہے تھے تو

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ پنجوں کے بل نہ چلیے، آپ میرے کندھوں پر آ جایئے، میں آپ کو اٹھا کر لے جاتا ہوں، لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کو اپنے کندھوں پہ اٹھا لیا تھا۔

جب فتح مکہ ہوئی اور نبی علیہ السلام نے بتوں کو توڑنا تھا، چونکہ کچھ بت اونچے رکھے ہوئے تھے، ان کو توڑنے کے لیے کسی اونٹ وغیرہ پر چڑھنا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ میری پیٹھ پر سوار ہو جایئے اور اس بت کو توڑ دیجیے، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اِنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ حَمْلَ ثِقْلِ النُّبُوَّةِ) (سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۲۹)

''(اے علی!) تو نبوت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گا۔''

اس لیے میں تیری کمر کے اوپر سوار نہیں ہوتا۔ اب دیکھیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پہ نبی علیہ السلام سوار ہو گئے، لیکن جب علی رضی اللہ عنہ نے پیشکش کی تو نبی علیہ السلام نے انکار فرما دیا۔

سفر ہجرت کے رفیق:

جب نبی علیہ السلام نے ہجرت کے لیے تشریف لے جانا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جاگ رہے تھے، انہوں نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ نبی علیہ السلام بڑے حیران ہوئے، پوچھا: ابوبکر! میرے آنے پہ جاگ گئے ہو یا پہلے سے جاگ رہے تھے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے حبیب! مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہجرت کا حکم فرمائیں گے اور مجھے یہ بھی تسلی تھی کہ آپ جب ہجرت کے لیے تشریف لے جائیں گے تو مجھے اپنے ساتھ جانے کا شرف عطا

فرمائیں گے، جس دن سے یہ خیال آیا ابوبکر نے رات کا سونا چھوڑ دیا، ایسا نہ ہو کہ آپ میرے دروازے پہ آئیں اور آپ کو انتظار میں کھڑا ہونا پڑے، میں جاگتا رہتا تھا تاکہ آپ جب بھی تشریف لائیں تو میں فوراً باہر نکل آؤں۔

غارِ ثور میں نبی علیہ السلام کی خدمت:

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کے سفر پر چلے، آگے غارِ ثور میں ان کو تین راتیں گزارنی پڑیں، جب غار کے پاس پہنچے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ تھوڑی دیر رک جایئے میں پہلے غار میں داخل ہوتا ہوں تاکہ میں تسلی کرلوں کہ اندر کوئی نقصان دینے والی چیز تو موجود نہیں ہے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، غار کو دیکھا کہ کوئی نقصان دینے والی چیز تو نہیں ہے۔ کوئی نہیں تھی، مگر چند جگہوں پہ سوراخ تھے اور ان سوراخوں سے کسی سانپ بچھو کے نکلنے کی گنجائش موجود تھی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا کر ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا، ایک سوراخ بچ گیا تھا اس پر رکھنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ میں مزید دیر نہیں کرتا، اس سوراخ کو تو میں اپنے پاؤں سے بند کرلوں گا۔ چنانچہ زمین پر بیٹھ گئے اور اپنی ٹانگ Extand (لمبی) کرلی اور اس سوراخ کو اپنے پاؤں سے بند کرلیا، پھر نبی علیہ السلام سے عرض کی: اے اللہ کے حبیب! اندر تشریف لے آیئے۔ نبی علیہ السلام اندر تشریف لائے، ساری رات کے جاگے ہوئے تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے حبیب! میری گود تکیے کے طور پر حاضر ہے، آپ یہاں پر سر مبارک رکھ لیجیے اور لیٹ کر آرام کیجیے۔ نبی علیہ السلام نے اس Offer (پیش کش) کو قبول کرلیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھا اور آرام کی



نیند سو گئے۔

تخلیہ اور محبوب کا چہرہ:

اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان دیکھیے کہ ان کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ دیکھنے کا Enough (وافر) وقت مل گیا، فُل وقت مل گیا، وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر نظریں جمائی ہوئی ہیں اور چہرے کی زیارت ہی کر رہے ہیں۔ آج کے محب دعائیں کرتے ہیں کہ ہمیں محبوب کے ساتھ تخلیہ کا وقت مل جائے، مگر عشاق میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ سب سے اونچا ہو گیا، اللہ نے ان کو ایسے تین دن اور تین راتیں عطا فرمائیں کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہا۔

ع   ہم ہی ہم ہوں تیری محفل میں کوئی اور نہ ہو

یہ موقع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ نے عطا کیا، تنہائی ہے اور محب اور محبوب موجود ہیں اور تیسرا کوئی Disturb (خلل) کرنے والا نہیں ہے، چنانچہ شاعر نے لکھا:

ے   کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

تو آج کل کے عشاق کو کتابوں میں محبوب کا چہرہ دکھائی دیتا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب تھے کہ جن کے سامنے کتاب نہیں تھی بلکہ ان کے سامنے خود محبوب کا روشن چہرہ موجود تھا۔

رحل پہ رکھا قرآن:

اس منظر کو کسی بزرگ نے یوں بیان کہ ابوبکر! میں آپ کے بارے میں سوچتا ہوں تو تصور کی آنکھ یوں محسوس کرتی ہے کہ آپ کی گود ایک رحل کی مانند ہے اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

چہرہ مبارک کھلے قرآن کی مانند ہے اور ابوبکر! تو مجھے قاری نظر آتا ہے جو بیٹھا ہوا اس قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔

؎ یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لا جواب ہے
رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

شبنم گلاب پر:

اب جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا اس سوراخ کے اندر ایک چھوٹا سانپ تھا، وہ سانپ بھی چاہتا تھا کہ نبی علیہ السلام کی زیارت کرے تو وہ باہر نکلنا چاہتا تھا، مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی وجہ سے سوراخ بند تھا۔ سانپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ڈسا، جب زہر کی تکلیف ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور آنسو گرا تو کہاں گرا؟ نبی علیہ السلام کے رخسار مبارک کے اوپر گرا، نبی علیہ السلام جاگ گئے، پوچھا: ابوبکر! تیری گود میں سید الکونین کا سر مبارک ہے اور تو رو رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اے اللہ کے حبیب! یہ درد کی وجہ سے آنسو نکل آیا، بے اختیاری کا آنسو ہے، میں رونا تو نہیں چاہتا تھا، لیکن درد کی تکلیف کی وجہ سے آنسو نکل آیا، اس پر کسی شاعر نے کہا:

؎ آنسو گرا ہے روئے رسالت مآب پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

یعنی جیسے صبح کے وقت شبنم گلاب کے پتے کے اوپر پڑتی ہے اور اس کو سجا کے رکھ دیتی ہے، اے محبوب! آپ کا رخسار مبارک تو گلاب کے پھول کی مانند تھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آنسو شبنم بن کے اس گلاب کے اوپر گر گیا۔

اللہ کی امانت ابوبکر کے حوالے:

چنانچہ اب ذرا چند اور باتیں بھی غور سے سن لیجیے کہ جب ہجرت کی رات نبی علیہ السلام سفر کے لیے چلے تو لوگوں کی امانتیں نبی علیہ السلام کے پاس تھیں، آپ نے وہ امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں اور ان کو اپنے بستر پہ سلا دیا اور فرمایا: علی! میں جا رہا ہوں، میرے بعد یہ امانتیں جن لوگوں کی ہیں ان لوگوں کو پہنچا دینا، پھر تم بھی ہجرت کر کے آ جانا، لہٰذا اللہ نے مخلوق کی امانتیں ان تک پہنچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا، جب کہ اللہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی امانت پہنچانے کے لیے منتخب کیا، کہ ابوبکر! تم میری امانت کو مکہ سے مدینہ پہنچا دو۔

تو اللہ کی امانت کو پہنچانے کا کام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالے ہوا۔

معراج اور ہجرت کے رفیق میں فرق:

پھر جو معراج کی رات نبی علیہ السلام کا ساتھی تھا یعنی جبریل علیہ السلام، وہ فرشتوں کا سردار بنا اور جو ہجرت کی رات کا ساتھی تھا وہ تمام صحابہ کا سردار بنا، مگر فرق یہ ہے کہ معراج کی رات جو رفیق تھا وہ نبی علیہ السلام کو بلانے ان کے گھر میں آیا اور جو ہجرت کی رات کا رفیق تھا اس کو بلانے کے لیے نبی علیہ السلام اس کے گھر تشریف لے گئے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ جو معراج کی رات کا رفیق تھا وہ منزل تک نہ جا سکا، راستے میں ایک جگہ جا کر جبریل علیہ السلام نے کہا: اے اللہ کے حبیب! اس سے آگے اگر میں جاؤں گا تو میرے پر جل جائیں گے، میں یہیں تک آ سکتا ہوں، اس سے آگے آپ کو الگ جانا پڑے گا، اب نبی علیہ السلام آگے جو مقام "تدلّٰی" تک پہنچے تو اکیلے پہنچے۔

چنانچہ معراج کی رات کا جو رفیق تھا وہ منزل تک نہ جا سکا، لیکن جو ہجرت کی رات کا

رفیق تھا اللہ نے اس کو منزل تک پہنچنے کی توفیق عطا فرما دی۔

لعابِ نبوت کا کرشمہ:

نبی علیہ السلام نے خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دینا تھا، ان کو بلایا تو ان کی آنکھیں دکھتی تھیں، محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب لگا دیا اور آنکھیں ہمیشہ کے لیے ٹھیک ہو گئیں۔ اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان بھی دیکھیے کہ جب ان کو سانپ نے ڈسا اور انہوں نے بتایا کہ اے اللہ کے حبیب! مجھے تکلیف ہو رہی ہے، تو نبی علیہ السلام نے اپنے لعاب مبارک کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پہ لگا دیا، اللہ نے ان کو بھی شفا عطا فرما دی۔

غارِ ثور کی نیکیاں:

پھر غارِ حرا میں نبی علیہ السلام کو نبوت کی خوشخبری ملی اور غارِ ثور میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معیت کبریٰ کی خوش خبری نصیب ہوئی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سودا کرنا چاہا تھا، اے ابوبکر! میری پوری زندگی کی نیکیاں لے لیجیے اور غارِ ثور کے تین دن اور تین راتوں کی نیکیاں مجھے دے دیجیے، مگر وہ مرتبہ اتنا اونچا تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی بھی یہ Deal (سودا) کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا وزن:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امت کے ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان زیادہ بھاری نکلے گا۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ بھاری ہے۔ (مسند اسحاق بن راھویہ، رقم: ۱۲۶۶)

اس لیے کہ امت کے ایمان کا ثواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی ملے گا، کیونکہ وہ

سب سے پہلے ایمان لائے، اور اصول یہ ہے:

(اَلدَّالُ عَلَی الْخَیرِ کَفَاعِلِهٖ) (سنن ترمذی، حدیث: ۲۶۷۰)

''نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔''

انہوں نے دوسروں کو راستہ دکھایا اور دوسرے اس راستے پر چلے، تو امت کا ثواب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی ملے گا، اب اگر امت کا ایمان تولا جائے تو امت کا ایمان تلے گا اور ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی تولا جائے گا، کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی امت میں شامل ہیں، لہٰذا امت کا ایمان جمع ابوبکر کا اپنا ایمان، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری امت کے ایمان سے زیادہ بھاری ہو جائے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک عظیم بات یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے سب کے احسانات کے بدلے چکا دیے، لیکن ابوبکر! تو نے میرے اوپر اتنے احسانات کیے ہیں، تیرے احسانات کے بدلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود چکائے گا۔

اس لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ع آں اَمَنَّ النَّاس بر مولائے ما

''اَمَنَّ النَّاس'' یعنی انسانوں میں سب سے زیادہ میرے آقا کے اوپر احسان کرنے والے اے ابوبکر! آپ تھے۔

ؔ آں اَمَنَّ النَّاس بر مولائے ما
اے کلیم اول سینائے ما

اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ میرے لیے کوہِ طور کی مانند ہیں، کوہِ طور پہ اللہ کی تجلی پڑی تھی، لیکن وہ تجلی شیونات کی تجلی تھی اور آپ کے اوپر تجلی ذات پڑتی ہے، میرے لیے آپ طور کی مانند ہیں اور اس کوہِ طور کے جو کلیم ہیں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ابوبکر! آپ کو اللہ نے اس کوہِ طور کا کلیم بننے کا شرف عطا فرما دیا۔

آں اَمَنَّ النَّاس بر مولائے ما
اے کلیم اول سینائے ما

انجم نیازی کا خراج عقیدت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مداح انجم نیازی دامت برکاتھم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑے خوبصورت اشعار لکھے ہیں، ذرا توجہ کے ساتھ سنیے گا:

پیامبر تو نہ تھا لیکن پیامبر جیسا لگتا تھا
وہ دریا تھا مگر گہرے سمندر جیسا لگتا تھا
کچھ ایسی تازگی تھی اس کے چہرے پر کہ وہ سب کو
طلوع صبح کے بے داغ منظر جیسا لگتا تھا
نبی کا دور یاد آتا تھا اس کے دور میں اکثر
نبی کے بعد وہ کند مکرر جیسا لگتا تھا
زمیں سمٹی چلی جاتی تھی اس کی فوج کے آگے
ہر ایک خدمت گزار اس کا سکندر جیسا لگتا تھا

اللہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وہ شان عطا فرمائی کہ جو ان کے ساتھی بنے وہ بھی صحابہ میں سے انوکھے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا نتیجہ:

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی ان میں سے کئی ایسے تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے بنے، ان کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفان، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایمان لائے اور ان حضرات میں سے طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم یہ سب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

آپ بتایئے کہ اللہ نے ان کو کیا شان عطا فرمائی، جن کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمان کیا، اسلام کی طرف متوجہ کیا، ان میں سے پانچ بندے ایسے تھے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے دنیا میں جنت کی بشارت مل گئی تھی۔

بشر ایسے بھی ہوتے ہیں:

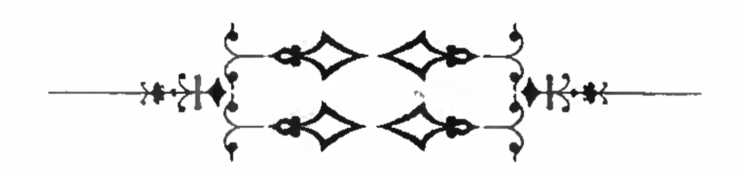
چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

تجھے لا کر دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
خدا نے یہ بتانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
ستاروں سے زیادہ خوبصورت نیکیاں دے کر
یہی باور کرانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
پہاڑوں سے زیادہ سونے چاندی کو جو ٹھکرا دے
دلوں میں یہ دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
خلیفہ ہو کے بھی فاقہ کشی کی لذتیں مانگے
فرشتوں کو دکھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

یقیں آتا نہ تھا جن کو بشر کی پاکبازی کا
سبق ان کو پڑھانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
سمندر سے زیادہ تجھ کو دل کی وسعتیں دے کر
سمندر کو بتانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں
قدم رکھے زمیں پر تو زمیں ملنے لگے ساری
یہ لوگوں کو جتانا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ جو بشریت کا سب سے اعلیٰ مقام ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ نبی علیہ السلام کی محبت میں سب سے بازی لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا مرتبہ عطا فرمایا، وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ہم ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور آج کی اس محفل میں ان کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا ہم اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کی شفاعت عطا فرمائے۔ وہ ہمارے سلسلے کے امام ہیں، اور ہمارا سلسلہ نقشبندیہ انہی سے آگے چلتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی بارگاہ میں ہمیں قبولیت عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



ثَانِیَ اثْنَیْنِ

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا





حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلحَةُ فِي الجَنَّةِ وَ الزُّبَيرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيدَةَ بنُ الجَرَّاحِ فِي الجَنَّةِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

عشرہ مبشرہ میں سے دوسرے صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش میں سے تھے اور نویں پشت پر ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر مل جاتا ہے۔ یعنی

نبی ﷺ سے ان کی رشتہ داری بھی نکل آتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے امبیسیڈر کہے جاتے تھے۔ جب کسی قبیلے سے بات کرنی ہوتی یا کوئی پیغام دینا ہوتا تو اس کے لیے نمائندے کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا جاتا تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ دوسرے قبائل میں جا کر قریش کی نمائندگی کرتے تھے۔

اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو ان کا قد کاٹھ بہت اچھا تھا، پرسنیلیٹی بارُعب تھی، خوبصورت تھی اور دوسری بات یہ کہ پڑھے لکھے تھے، بات کرنے کا ملکہ آتا تھا۔ تو قریش فخر محسوس کرتے تھے کہ ہمارے قبیلے میں سے ایک ایسا آدمی بات کے لیے گیا ہے کہ جو دیکھنے میں بھی ایک بہت اچھا انسان نظر آتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لے کر آئے تو آپ کا شمار علماء صحابہ میں ہونے لگا۔ بہت سارے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی اقتدا کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے جنتی ہونے کی خوشخبری:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ ایک انصار کے باغ میں تشریف لے گئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خدمت کے لیے آپ کے ساتھ تھے۔ نبی ﷺ کی طبیعت بہت خوش تھی اور آپ گرمی سے ریلکس ہونا چاہتے تھے، تو آپ ﷺ کنویں کی منڈیر پر اس طرح بیٹھے کہ آپ نے اپنی ٹانگیں مبارک کنویں کے اندر لٹکا لیں۔

تجربے کی بات ہے کہ کنویں کے اندر جب ٹانگیں لٹکا کر بیٹھیں تو گرمی کے موسم میں تھوڑی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ ٹھنڈک حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لیے اس طرح کنویں کے اندر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

اب اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش خبری ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوموسیٰ! باغ کا دروازہ بند کر دو۔ کوئی آنے والا آئے تو پہلے مجھ سے پوچھنا، پھر دروازہ کھولنا۔

چنانچہ انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون؟ جواب آیا: ابوبکر۔ تو انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باغ کا دروازہ بھی کھول دو اور ان کو جنت میں جانے کی بشارت بھی دے دو۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ پوچھا: کون؟ جواب آیا: عمر۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پھر یہی فرمایا کہ باغ کا دروازہ بھی کھول دو اور آنے والے کو جنت کی بشارت بھی دے دو۔

فضائل عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسی دنیا میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نام لے کر جنت کی بشارت عطا فرما دی تھی۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے کسی کو دنیا میں جنت کی بشارت مل جائے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ جنت کا ایک محل ہے، جو سونے کا بنا ہوا ہے اور وہ ایک دریا کے کنارے پر بنا ہوا ہے، یعنی جیسے دنیا میں انسان ساحل سمندر کے اوپر گھر بناتے ہیں تو اس مکان کی اپنی ایک شان ہوتی ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکان دیکھا جو بالکل دریا کے کنارے پر تھا، بلکہ مکان کی کچھ سیڑھیاں پانی کے اندر تک گئی ہوئی تھیں۔ تو نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک عورت وہاں بیٹھی وضو کر رہی

ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتے سے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ عمر رضی اللہ عنہ کا گھر ہے۔

جب نبی علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا کہ اے عمر! میں نے جنت میں تمہارے محل کو بھی دیکھا، میرا دل چاہتا تھا کہ میں محل میں داخل ہو کر اندر کی عمارت کو بھی دیکھوں، مگر مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی اور میں محل کے اندر داخل نہیں ہوا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! کیا میں آپ کے سامنے غیرت دکھاؤں گا؟ (یعنی اگر آپ چاہتے تھے تو محل کو ضرور دیکھ لیتے، یہ میرے لیے سعادت ہو جاتی)۔ (اسد الغابہ، ج ۱، ص ۸۲۱)

ایک دفعہ نبی علیہ السلام اُحد پہاڑ کے اوپر تھے کہ پہاڑ میں ہلکا سا زلزلہ محسوس ہوا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد! تو کیوں ہلتا ہے؟ تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید موجود ہیں۔ (اسد الغابہ، ج ۱، ص ۸۲۱)

اس وقت پہاڑ کے اوپر ایک نبی علیہ السلام تھے، ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دنیا میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے شہید ہونے کی بشارت نصیب ہو گئی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں کچھ محدث ہوا کرتے تھے۔ ایک لفظ ہوتا ہے: محدِث، اور ایک ہوتا ہے محدَث۔ محدَث کہتے ہیں ایسے بندے کو جس کو الہام ہو اور وہ الہام کے ذریعے سے باتیں کرے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے

محدث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ ان کو الہام فرماتے ہیں اور وہ الہام کی بنیاد پر باتیں کرتے ہیں۔(اسد الغابہ، ج۱ص ۸۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کتنی شان ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی اور تعریف فرمائی۔

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(لَو كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۶۸۶)

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا۔''

لیکن اب چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکتے۔

ایک سوال کا جواب:

یہاں پر طلبہ ایک سوال پوچھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ تو حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب دیا کہ دیکھو! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معیتِ کبریٰ حاصل تھی، وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

(لَو كَانَ بَعْدِي)

یعنی یہاں بَعْدِیْ کا لفظ فرمایا، جس کا معنی ہے میرے بعد۔تو بعد میں اگر دیکھیں تو وہ تو عمر رضی اللہ عنہ ہی بچتے ہیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا لَقِيَكَ الشَّيطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيرَ

فَجِّكَ.) (صحیح بخاری، حدیث: ۳۲۹۴)

''قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! (اے عمر!) شیطان جب بھی تیرے راستے میں سامنے آتا ہے تو وہ تیرے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔''

ایک حدیث میں فرمایا:

(إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ.) (ابوداود، حدیث: ۲۹۶۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش انتقام:

ایک مرتبہ قریش مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت بدتمیزی کی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر بہت غمزدہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اُس وقت شکار کھیلنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو لوگوں نے ان کو بتایا کہ آج ابوجہل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ایذا پہنچائی ہے، بہت ستایا ہے، تو حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس پر بہت غصہ آیا، وہ اپنی تلوار لے کر چلے اور ابوجہل کو تلاش کیا۔ ابوجہل ایک جگہ کفار کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے میرے بھتیجے کو تکلیف پہنچائی ہے! اور تلوار اُلٹی کر کے اس کے سر کے اوپر ماری، جس سے اس کا خون نکل آیا، مگر ابوجہل لوگوں سے کہنے لگا کہ حمزہ سے بدلہ مت لینا، اگر ایسا کرو گے تو بنو ہاشم سے تمہیں لڑنا پڑے گا اور یہ لڑائی مہنگی پڑ جائے گی۔ تو انہوں نے اس کو اگنور کر دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے کہ میں جا کر اپنے بھتیجے کو خوش خبری سنا دوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارِ ارقم میں تھے، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ خوش ہو کر

سامنے بیٹھے۔ اب اپنی طرف سے حمزہ ایک بڑا کام کر کے آئے تھے کہ انہوں نے آپ کو ستایا اور میں نے اس کا بدلہ لے لیا۔

انہوں نے پورا واقعہ سنایا کہ مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ کے ساتھ بدتمیزی ہوئی ہے، تو میں نے آپ کا بدلہ اس سے لے لیا، وہ زخمی ہو گیا، اس کا خون نکل آیا۔ یہ سن کر نبی ﷺ خاموش رہے، تو حمزہ ؓ نے محسوس کیا کہ نبی ﷺ کو میری بات سن کر خوشی نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے بھتیجے! کیا آپ کو میری بات سن کر خوشی نہیں ہوئی؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں، مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی، خوشی تو مجھے تب ہو گی جب آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں گے۔ تو حمزہ ؓ نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حضرت حمزہ ؓ اُنتالیسویں مسلمان تھے۔ اب حمزہ ؓ کا اسلام قبول کرنا ایک بہت بڑی بات تھی۔ معاشرے میں ان کا وقار تھا، ان کی عزت تھی، ان کا احترام تھا اور کفار کی نظر میں ایک ایسے اہم آدمی کا مسلمان ہو جانا، مسلمانوں کی بڑی تقویت تھی۔

اب یہ سارا واقعہ پورے مکہ مکرمہ کے اندر گردش کر رہا تھا کہ جی حمزہ ؓ نے یہ کام کیا ہے۔ یہ بات جب عمر ؓ کو پہنچی تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ روز روز کا کیا قصہ ہے؟ چلو میں اٹھتا ہوں اور جا کر مسلمانوں کے پیغمبر ہی کو قتل کر دیتا ہوں...... نہ رہے بانس نہ بجے بانسری...... نہ وہ بتوں کے خلاف باتیں کر سکیں گے اور نہ کوئی جھگڑا ہو گا آپس میں۔

چنانچہ وہ اپنی تلوار اور اپنی کمان اور اپنا نیزہ، تینوں چیزیں لے کر نکلے کہ پتہ نہیں لڑائی کا انداز کیا ہو گا۔ اور غصے میں تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کہیں نبی ﷺ کو دیکھوں اور آپ کو شہید کر دوں۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک اور صحابی تھے، ان سے ملاقات ہوئی، سلام دعا ہوئی۔

انہوں نے پوچھا: عمر! غصے میں نظر آتے ہیں؟ کہا: ہاں! میں غصے میں ہوں۔ پوچھا: کیا ہوا؟ بس میں چاہتا ہوں کہ میں جاؤں اور مسلمانوں کے پیغمبر کا کام تمام کردوں۔

جب یہ کہا تو اس نے آگے سے کہا: تم ان کی بات کرتے ہو، جاؤ اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے گھر کے لوگ اسلام قبول کریں گے۔

چنانچہ انہوں نے رُخ بدلا اور اپنی بہن کے گھر پہنچ گئے۔ ان کے بہنوئی تھے حضرت سعید رضی اللہ عنہ، انہوں نے دروازہ کھولا۔ عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، غصے میں تھے، اپنے بہنوئی کو کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: اگر اسلام سچ ہو تو پھر مسلمان ہونے میں کیا حرج ہے؟ بس یہ سنتے ہی انہوں نے اس کو مارنا شروع کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن بھی قریب تھیں، وہ آگے بڑھیں اور اپنے خاوند کو بچانے لگیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو زوردار تھپڑ لگایا، جس سے وہ نیچے جا گریں۔ جب اُٹھیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے، تکلیف بھی ہو رہی تھی، رو رہی تھیں، تو انہوں نے کہا کہ تم میرے خاوند کو کیوں مار رہے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم لوگ مسلمان ہو جاؤ بغیر میرے کہے؟ عمر رضی اللہ عنہ بہت غصے میں تھے، تو ان کے غصے کو دیکھ کر بہن نے آگے سے جواب دیا کہ عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے، تم میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہو، لیکن میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔

ان کا نام تھا فاطمہ، وہ بھی عمر کی بہن تھیں، وہی خون تھا۔ انہوں نے ایسا جواب دیا

کہ جس جواب کو سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی کیفیت ہی بدل گئی۔ کہنے لگے: اچھا مجھے بتاؤ کہ تم لوگ ابھی کیا پڑھ رہے تھے؟ مجھے آواز آرہی تھی۔ تو ایک صحابی تھے خباب رضی اللہ عنہ، وہ اُن کے گھر میں اُن کو قرآن پاک پڑھا رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ جب آئے تو وہ چھپ گئے تھے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ تو بہن نے کہا: عمر! تو مشرک ہے، ناپاک ہے، تو اس کتاب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، یہ اللہ کا کلام ہے، پاک بندہ ہاتھ لگا سکتا ہے، تم غسل کرنے کے بعد ہاتھ لگا سکتے ہو۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور پھر اس کے بعد ان کے سامنے وہ قرآن پاک کی آیات لائی گئیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پڑھنا شروع کیا، وہ سورت طٰہٰ کی ابتدائی آیات تھیں:

﴿طٰهٰ ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝﴾

پڑھتے پڑھتے جب وہ اس آیت پر پہنچے:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝﴾

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کا نور آ گیا۔ وہ کہنے لگے: اچھا تم مجھے اپنے پیغمبر کے پاس لے چلو۔ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے کہ مجھے اپنے پیغمبر کے پاس لے چلو تو خباب رضی اللہ عنہ جو چھپے ہوئے تھے وہ بھی نکل کے آ گئے اور کہنے لگے: عمر! مبارک ہو، میں نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے بارے میں دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اے اللہ! عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرما دے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہو گئی اور اللہ نے تمہیں ایمان کے لیے قبول فرما لیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ میں تلوار لے کر دارِ اَرقم پہنچے۔ دارِ اَرقم میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ موجود تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔

ایک صحابی نے اندر سے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ چونکہ عمر رضی اللہ عنہ سے سب لوگ ڈرتے تھے اس لیے وہ حیران ہو کر بتانے لگے کہ دروازے پر عمر کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ تو حمزہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: فکر کی بات نہیں ہے، دروازہ کھول دو، اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو اس کا آنا اللہ قبول کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو میں اسی کی تلوار سے اس کی گردن کو اُڑا کر رکھ دوں گا۔ چونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ بھی بہت بہادر تھے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا تھا، اس لیے انہوں نے یہ جملہ فرما دیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ اندر داخل ہوئے، لیکن ان کے انداز بدلے ہوئے تھے، وہ جو طبیعت کے اندر ایک رُعب تھا اور سختی تھی، اب وہ نہیں تھی، اب طبیعت کے اندر عاجزی تھی۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو کرتہ اور شلوار کے ملنے کی جو جگہ ہے وہاں سے پکڑ کر فرمایا: تو کب تک کلمہ نہیں پڑھے گا؟ یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ جب انہوں نے کلمہ پڑھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتنی خوشی ہوئی کہ سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس نعرے کی آواز مکہ مکرمہ کے لوگوں نے بھی سنی، یعنی یہ آواز دور تک گئی۔ کئی لوگوں نے سنا کہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا ہے۔ (اسد الغابہ، ج ۱، ص ۸۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حرم میں اعلان:

جب عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو پھر تھوڑی دیر کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! ہمیں اب نماز نہیں پڑھنی؟ فرمایا: پڑھنی ہے۔ عرض

کیا: اے اللہ کے حبیب! ہم یہاں گھر میں کیوں نماز پڑھیں؟ ہم چلتے ہیں اور چل کر مسجد کے اندر، حرم کے اندر جا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس وقت تک مسلمانوں کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکیں۔ وہ گھر میں چھپ کر پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو نڈر تھے، بہادر تھے، کسی سے نہیں ڈرتے تھے، وہ کہنے لگے: اب چھپنے کی کیا ضرورت ہے؟

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر وہ حرم شریف میں آئے، دو لائنیں بنی ہوئی تھیں، ایک لائن کے آگے عمر رضی اللہ عنہ تھے، ان کے ہاتھ میں بھی تلوار تھی اور دوسری لائن کے آگے سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پیچھے بھی چند صحابہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ساتھ تھے اور مسجد میں تشریف لائے اور مسجد میں عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جو بندہ چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو بیوہ کروائے اور اپنے بچوں کو یتیم کروائے وہ آئے میرے ساتھ لڑنے کے لیے، میں تیار ہوں، مگر لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو جانتے تھے اور ان کی بہادری اور ان کی شجاعت سے واقف تھے، کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد حرام میں نماز ادا فرمائی اور اسلام اور کفر کے درمیان ایک واضح فرق ہو گیا۔

اس فرق کی وجہ سے ان کا لقب فاروق پڑ گیا، وہ عمر فاروق کہلائے، وہ اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اسلام کو قوت عطا فرما دی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول:

چنانچہ ان کی زندگی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے جس

میں انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کا نقشہ سمیٹ کر رکھ دیا، وہ فرمایا کرتے تھے:

''اِنَّ إِسْلَامَ عُمَرَ كَانَ فَتْحًا، وَإِنَّ هِجْرَتَهُ كَانَتْ نَصْرًا، وَإِنَّ إِمَارَتَهُ كَانَتْ رَحْمَةً.'' (الروض الانف، ج ۲، ص ۱۱۹)

''بے شک عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا (اسلام کی) فتح تھی اور ان کا ہجرت کرنا (اسلام کی) مدد تھی اور ان کا خلیفہ بننا (امت کے لیے) رحمت تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب اور اس کی تعبیر:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک کنواں ہے اور اس کنویں سے میں پانی کے ڈول کھینچ رہا ہوں اور آگے زمین کو سیراب کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں جب ڈول کھینچ کھینچ کر تھک گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ڈول لے لیا، پھر انہوں نے بھی چند ڈول کھینچے، مگر وہ بھی بہت تھکے ہوئے تھے اور کھینچنے میں انہیں مشقت پیش آ رہی تھی۔ فرماتے ہیں کہ پھر ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے ڈول لے لیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے ڈول کو اتنا اچھا کھینچا اور اتنا تیز پانی نکالا کہ زمین کو جل تھل کر دیا۔ (اسد الغابہ، ج ۱، ص ۸۲۵)

اس کی تعبیر یوں بتائی گئی کہ دین کا کام نبی علیہ السلام نے بھی کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کریں گے، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دین اسلام ذرا کم پھیلے گا، چونکہ اندر کے فتنوں کو روکنا ہوگا، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ کام زیادہ کرنا پڑے گا، جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو کچھ مسلمان مرتد ہو گئے تھے، بعض مانعین زکوٰۃ تھے جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور کچھ نئے جھوٹے نبی پیدا ہو گئے تھے، انہوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، جیسے مسیلمہ کذاب، تو ان کے ساتھ لڑنا پڑ گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جماعت کو مضبوط کرنے کے لیے جنگ میں

مصروف رہنا پڑا، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت عطا فرمائی تھی، انہوں نے اسلام کو پھیلانے پر زور دیا اور ان کی وجہ سے اللہ نے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت قدموں میں لا کر ڈال دیے، حتیٰ کہ انہوں نے بیت المقدس کو بھی فتح کیا۔

فتح بیت المقدس:

ان کے امیر لشکر تھے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نبی علیہ السلام نے ان کو "اَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ" فرمایا کہ ہر امت کا کوئی امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۲۵۲)

ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کا امیر بنایا تھا۔ جب انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو یہودی اندر سمٹ گئے، کچھ دنوں کے بعد یہودیوں نے پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے ساتھ لڑائی مت کریں۔ ہماری کتابوں میں نشانیاں موجود ہیں کہ کون بیت المقدس کا فاتح بنے گا، تم اپنے خلیفہ کو بلاؤ، ہم ان نشانیوں کو دیکھیں گے، اگر نشانیاں موجود ہوئیں تو ہم خود بیت المقدس کی چابی ان کے حوالے کر دیں گے، اور اگر نشانیاں ان کے اندر نہ ہوئیں تو ہم تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے، تم ہم سے کبھی بھی یہ چابیاں نہیں لے سکتے۔

تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اے امیر المومنین! آپ اگر تشریف لائیں تو زیادہ بہتر ہے کہ لڑائی کی بجائے صلح سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانا چاہتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گرمی بہت ہے اور آپ سفر کریں گے اور معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، آپ دیکھ لیں، جانا چاہیں تو جائیں اور رکنا چاہیں تو رک جائیں، ہمیں آپ کی یہاں زیادہ

ضرورت ہے۔

اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ عمر جیسا شخص اور کوئی موجود نہیں ہے امت کو سنبھالنے والا، اگر ان کو کچھ ہو گیا تو اسلام کا کیا بنے گا؟ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ یہ مرکز میں رہیں اور یہاں رہ کر کام کریں، سفر نہ کریں، مگر عمر رضی اللہ عنہ نے جانے کا ارادہ کر لیا۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ چلے تو اس وقت ان کے کپڑوں میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور ایک پیوند چمڑے کا بھی تھا۔ اور ان کے پاس ایک اونٹنی تھی جو بڑی کمزور سی تھی۔ انہوں نے ایک غلام کو ساتھ لیا اور چلنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ اچھے کپڑے پہن لیجیے، ہمارے پاس موجود ہیں، اس وقت تو اسلام کو اللہ تعالیٰ نے فتوحات عطا فرمائی ہیں اور ان فتوحات کی وجہ سے بیت المال کے اندر بہت کچھ ہے، غربت کا زمانہ نہیں ہے، آپ اسلام کی نمائندگی کریں گے تو بہتر ہے کہ آپ اچھا لباس پہن کر جائیں، کافروں کے دل پر رعب پڑے گا کہ مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ سب نعمتیں عطا فرما دی ہیں اور جو تاثر ہے کہ مسلمان کمزور ہیں اور غریب ہیں، یہ ختم ہونا چاہیے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے پہن لیے، پھر ان کے لیے ایک عمدہ قسم کا گھوڑا منگوایا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھوڑے پر بیٹھے تو تھوڑی دیر کے بعد پھر نیچے اُتر گئے۔ غلام نے پوچھا: امیر المومنین! نیچے کیوں اُترے؟ فرمایا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی تھی اور میرے دل نے مجھے کہا کہ نہیں، مجھے اپنی اونٹنی پہ سفر کرنا چاہیے اور وہی کپڑے پہننے چاہییں جو میرے ذاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے بدل لیے اور انہی کپڑوں کے ساتھ جو آپ کے تھے اونٹنی کے اوپر سفر کیا اور اپنے غلام کے ساتھ طے کیا کہ ایک میل میں اونٹنی پر سوار ہوں

گا، آپ پیدل چلیں گے اور دوسری مرتبہ آپ سوار ہونا اور میں پیدل چلوں گا۔

اس نے کہا کہ میں تو غلام ہوں، آپ اونٹنی پر بیٹھیں، میں پیدل چلتا رہوں گا۔ فرمایا: اگر چہ تم غلام ہو، لیکن انسان تو ہو، جیسے میں تھکوں گا، مجھے مشقت پہنچے گی، ایسے تمہیں بھی مشقت پہنچے گی اور تم بھی تھکو گے، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ میں اونٹ پر سفر کروں اور تم چلتے رہو، ایک ایک منزل کا حساب کر لیتے ہیں۔ غلام اس بات پر تیار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ سفر کٹتا رہا کٹتا رہا، عین جب آخری ایک میل تھا جہاں یہودیوں کے راہب اور بڑے بڑے ربائی موجود تھے، تو وہ ایک میل کا سفر غلام کے اونٹنی پر بیٹھنے کا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیدل چلنے کا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کی رسی کو پکڑ لیا اور اونٹنی کی جو مہار تھی وہ بھی چمڑے کی نہیں تھی، بلکہ عام جیسے چھال ہوتی ہے کھجور کی، اس کی بنی ہوئی رسی تھی، جو بہت معمولی سمجھی جاتی ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مہار پکڑ لی اور پیدل چلنا شروع کر دیا اور اونٹنی کے اوپر غلام بیٹھا ہوا تھا، اس حال میں جب وہاں پہنچے تو یہودیوں کے جو علماء تھے انہوں نے اپنی کتاب تورات کو نکالا اور عمر رضی اللہ عنہ کی نشانیاں اس میں دیکھیں تو اس میں ہو بہو یہی نشانیاں لکھی ہوئی تھیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے کے اوپر پیوند لگے ہوئے ہوں گے اور ان کا غلام اونٹنی پر سوار ہوگا اور وہ خود اونٹنی کی مہار پکڑ کر پیدل چل کر آ رہے ہوں گے۔ جب انہوں نے تمام نشانیاں عمر رضی اللہ عنہ کے اندر دیکھ لیں تو بغیر لڑائی کے انہوں نے چابیاں حوالے کر دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے فاتح بن گئے۔

ایک بوڑھے کا ٹیکس معاف کروانا:

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ملک شام گئے۔ اب وہاں کوئی ایسا

سلسلہ بنا کہ آپ قافلے سے جدا ہو گئے۔ قافلے سے جدا ہونے کے بعد آپ نے قافلے کو بڑا ڈھونڈا، مگر قافلہ نہیں ملا، تو آپ تھک ہار کر ایک مکان کی دیوار کے سائے کے اندر بیٹھ گئے۔ آپ اس مکان کی دیوار کے سائے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھا یہودی آیا اور اس نے آ کر پوچھا: نوجوان! تم کون ہو؟

تو بتایا کہ میں مکہ سے آیا ہوں اور قریش خاندان میں سے ہوں۔

اس نے پوچھا: نام کیا ہے؟

فرمایا: میرا نام عمر ہے۔

اس نے پوچھا: والد کا نام کیا ہے؟

فرمایا: خطاب ہے۔

اس نے پھر ان کے چہرے کو غور سے دیکھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم مجھے اتنا غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟

اس بوڑھے نے ایک کاغذ آگے کیا اور یہ کہا کہ یہ بتاؤ کہ جب تم اس علاقے کے بادشاہ بنو گے مجھے لکھ کر دو کہ تم مجھے ٹیکس معاف کر دو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ دیکھو بھئی! میں مکہ کا بادشاہ نہیں ہوں اور میری ایسی حیثیت بھی نہیں کہ میں عرب کا بادشاہ بنوں، اور یہ شام تو دوسرا ملک ہے، یہاں کا بادشاہ میں کیسے بن سکوں گا؟ اس نے کہا کہ بن سکیں گے یا نہیں بن سکیں گے، اس بات کو آپ چھوڑ دیں، میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ اگر آپ بنیں گے تو مجھے ٹیکس کی چھوٹ پر دستخط کر کے دے دیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھ کر دستخط کر کے دے دی کہ اس بندے کو ٹیکس معاف کر

دیا جائے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو اس کے ارد گرد کا وہ علاقہ جس میں عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا تھا وہ بھی فتح ہو چکا تھا، تو عمر رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو اس وقت وہ بوڑھا آیا اور اس کے پاس ایک گٹھڑی تھی اور اس گٹھڑی کے اندر اس نے ایک چادر کے کونے میں وہ رقعہ لکھا ہوا تھا، اس نے وہ رقعہ نکال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا اور کہا کہ دیکھیں کہ یہ آپ کے دستخط ہیں۔آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے ٹیکس معاف ہوگا۔اب آپ میرے ٹیکس کو معاف کر دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اللہ مجھے اس وقت دنیا میں یہ شاہی عطا فرمائیں گے، یہ اسلام کی عظمت ہے کہ اللہ نے اس کے صدقے مجھ جیسے بندے کو وقت کا امیر المومنین بنا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی: (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ مکرمہ آئے تو مکہ مکرمہ کی ایک پہاڑی پر چڑھ رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا اور آپ کے ساتھ بہت ساری فوج تھی۔ایک جگہ آپ جا کر کھڑے ہو گئے اور آپ کے کھڑے ہونے کی وجہ سے فوج بھی کھڑی ہو گئی۔اب گرمی کی شدت ہے اور سب دھوپ میں کھڑے ہیں اور کیوں کھڑے ہیں؟ یہ سمجھ نہیں آ رہی۔ تو جو لوگ قریب تھے انہوں نے کہا: امیر المومنین! آپ کے کھڑے ہونے کی وجہ سے پورا لشکر دھوپ میں کھڑا ہے اور لوگوں کو پسینے کی وجہ سے دقّت ہو رہی ہے، تنگی ہو رہی ہے، آپ چلیں، تا کہ لشکر چل پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اس لیے کھڑا ہوں کہ میں اس وادی کو دیکھ رہا ہوں، میں زمانۂ جاہلیت میں جب نوجوان تھا تو اونٹ چرانے کے لیے اس وادی میں آیا کرتا

تھا اور مجھے اونٹ چرانے کا طریقہ نہیں آتا تھا، میرے اونٹ خالی پیٹ گھر واپس جاتے تو میرا والد خطاب مجھے کوستا تھا، مجھے مارتا تھا، مجھ سے ناراض ہوتا تھا اور کہتا تھا: عمر! تو کیا زندگی گزارے گا تجھے اونٹ بھی چرانے نہیں آتے۔ میں اپنے اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب عمر کو اونٹ چرانے نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب اسلام اور قرآن کی برکت سے اللہ نے عمر کو امیر المومنین بنا دیا ہے۔

مقامِ تسخیر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت عطا فرمائی تھی کہ آپ کا حکم ہوا، پانی، زمین، ہر چیز کے اوپر چلتا تھا۔ اس کو کہتے ہیں: مقامِ تسخیر۔ تو عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ تسخیر عطا فرمایا تھا۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں کھڑے تھے، زمین میں زلزلہ آیا تو ہلنے لگی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے زمین کے اوپر پاؤں مارا اور کہا: اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ پاؤں مارنے سے زمین رُک گئی، زلزلہ ختم ہو گیا، یعنی زمین نے بھی ان کی بات کو مان لیا۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج۲، ص ۳۲۴)

پھر ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، خطبے کے دوران انہوں نے فرمایا:

”یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ!“

”اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دھیان رکھنا۔“

ساریہ ایک صحابی تھے، وہ اسلامی لشکر میں بطور امیر جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ سینکڑوں میل مدینہ سے دُور تھے۔ اللہ کی شان کہ ان کو یہ آواز سنائی دی، یعنی عمر رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچی کہ پہاڑ کی طرف کا دھیان رکھنا، وہ جس لشکر سے لڑنا چاہتے تھے اصل

میں وہ پہاڑ کے پیچھے سے ان کے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا، ان کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا، جب عمر رضی اللہ عنہ کی انہوں نے آواز سنی تو انہوں نے پہاڑ کی طرف دھیان کیا اور ان کو لشکر آتا نظر آیا، تو وہ ان کے نقصان سے بچ گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

(اسد الغابہ، ج ۱، ص ۸۲۳)

پانی بھی ان کا حکم مانتا تھا۔ چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو جب فتح کیا تو مصر میں ایک دریا ہے جس کو دریائے نیل کہتے ہیں۔ دریائے نیل میں ہر سال پانی خشک ہو جاتا تھا۔ ایک ایسا وقت آتا تھا اور دوبارہ چلنے کے لیے مقامی لوگ ایک نوجوان لڑکی کو پانی کے اندر ڈالتے تھے اور نذر پوری کرتے تھے اور پھر دوبارہ پانی چلتا تھا۔

اب جب پانی چلنے کا وقت آیا تو لوگوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ بتائیں اب ہم کیا کریں؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ امیر المومنین! یہاں پر ایک رسم ہے کہ یہ ایک لڑکی کو پانی میں ڈالتے ہیں، تب پانی چلتا ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم ان رسوم پہ عمل نہیں کر سکتے، ہمیں بتائیں کہ ہم کیا کریں؟

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹا سا پرچہ لکھا، خط لکھا دریائے نیل کے نام، کہ اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو تو نہ چل اور اگر اللہ کی مرضی سے چلتا ہے تو میں سے اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تجھے چلائے۔ اور ساتھ پیغام دیا کہ میرے اس خط کو دریائے نیل کے پانی کے اندر ڈال دیا جائے۔

جب وہ رقعہ پانی کے اندر ڈالا گیا تو دریائے نیل کا پانی چلنا شروع ہوا۔ اس وقت سے چل رہا ہے، اس کے بعد آج تک دریائے نیل کا پانی ختم نہیں ہوا۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی)

تو عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہوا نے مانا، پانی نے مانا، زمین نے مانا اور آگ نے بھی مانا۔

ایک مرتبہ ایک آگ پہاڑ کی غار سے نکلی اور مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنے لگ گئی، قریب تھا کہ وہ شہر کے اندر تک پھیل جاتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو فرمایا کہ آپ جائیں اور جا کر اس آگ کو واپس اسی جگہ کر دیں جہاں سے نکلی تھی۔ انہوں نے دو رکعت نفل پڑھے، اللہ سے دعا مانگی اور آگ کے قریب پہنچے تو اپنی چادر یا رومال وغیرہ کو پکڑ کر آگ کو اس طرح مار رہے تھے جیسے کسی جانور کو چھانٹے سے مارتے ہیں۔ ان کے چھانٹے کے مارنے سے آگ سمٹنا شروع ہوئی، جہاں سے نکلی تھی وہیں پر واپس چلی گئی۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۶ ص ۱۵۳)

اللہ اکبر! اللہ نے ان کو مقامِ تسخیر عطا فرمایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ: (۱)

ان کی زندگی کے اندر احتیاط بہت تھی۔ چنانچہ رات کا وقت تھا، ان کو ملنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: علی! کوئی سرکاری کام ہے؟ یا ذاتی مشورے کے لیے آئے ہو؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، میں ویسے ہی آپ سے ذاتی طور پر ملنے کے لیے آیا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بٹھایا اور جو چراغ جل رہا تھا اس کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور کہا: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلاتے ہیں چراغ بجھاتے تو نہیں ہیں، آپ نے بجھایا کیوں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھائی علی! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے، مہمان کے آنے پہ چراغ جلاتے ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ ذاتی ملاقات کے لیے آئے ہیں، ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی ملاقات کرتے

رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے، اس لیے میں نے چراغ بجھا دیا۔ ہم نے ذاتی باتیں کرنی ہیں، ہمیں بیت المال کے پیسے کو استعمال کرنے کی اب اجازت نہیں ہے۔ (حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات، ص ۱۰۴)

ایک مرتبہ بہت سارا غنیمت کا مال آیا۔ اور اس میں بہت سارا عطر تھا، خوشبو تھی، جس کو تقسیم کرنا تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا کہ امیر المومنین! اس کو میں تقسیم کر دیتی ہوں عورتوں میں۔ فرمانے لگے: نہیں! تم نہ کرو، کوئی اور عورت کرے۔ تو بیوی نے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے یہ کام میں بھی تو کر سکتی ہوں؟ میں بالکل برابر برابر تقسیم کروں گی سب عورتوں میں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم برابر برابر تو تقسیم کرو گی، لیکن تقسیم کے وقت جو خوشبو تم خود سونگھو گی، میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی بیت المال سے یہ خوشبو بغیر وجہ کے سونگھے۔

(الزھد لابن حنبل، ص ۱۴۸)

اتنی احتیاط تھی بیت المال کے معاملے میں، اس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کی ذات میں ایسی برکتیں عطا فرمائی تھیں۔ ان کے ہاتھ پہ اسلام پھیلتا چلا گیا اور وہ اسلام کے پھیلانے والے بن گئے۔

اللہ کے حضور پیشی کا ڈر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت اللہ کے سامنے پیشی کا ڈر رہتا تھا۔ یہ ان کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک آدمی کو رکھا ہوا تھا اور اس آدمی کی ڈیوٹی یہ تھی کہ تم میرے ساتھ رہنا اور موقع ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کا تذکرہ کرتے رہنا، تاکہ ہمیں موت یاد رہے تو وہ آدمی ساتھ ہوتا تھا اور بات چیت کے دوران کوئی نہ کوئی پوائنٹ نکال کر وہ موت کا تذکرہ چھیڑ دیتا تھا۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فارغ کر دیا اور کہا کہ اب آپ کسی دوسری ڈیوٹی کو سنبھال لیں۔ اس نے پوچھا: امیر المومنین! کیا اب موت کے تذکرے کی ضرورت نہیں ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کیا جس کے اندر چند بال سفید آ گئے تھے، فرمایا: اب یہ میرے سفید بال مجھے قبر کی یاد دلانے کے لیے کافی ہیں۔

اتنا روتے تھے، اتنا روتے تھے کہ ان کے رخسار کے اوپر رونے کی وجہ سے پانی کی لکیروں کے نشان بن گئے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا: حذیفہ! مجھے پتہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بتائے اور یہ بھی پتہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا تھا کہ منافقین کے نام کسی اور کو نہ بتانا، حذیفہ! میں آپ سے منافقین کے نام نہیں پوچھتا، صرف اتنا بتا دیں کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں ہے؟

(مکارم الاخلاق للخرائطی، ص ۳۱۵)

آپ اندازہ لگائیے! اتنا تقویٰ تھا، اتنی نیکی تھی اور پھر ڈر اتنا تھا کہ منافق ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتا دیا کہ نہیں، آپ کا نام اس میں شامل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا مانگتے تھے:

(اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيرَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً.)

''اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر کر دے اور میرے ظاہر کو نیک بنا دے۔'' (سنن ترمذی، حدیث: ۳۵۸۶)

یعنی میرے من کو میرے تن سے زیادہ بہتر کر دے اور میرے تن کو اللہ! نیکی تقویٰ والا بنا دے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی زندگی عطا فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ سفر میں تھے، تو رات کو کھلی جگہ میں سو گئے۔ تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو آسمان کے اوپر چاند کو چمکتا ہوا دیکھا، چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کی نظر آسمان کے چاند پر پڑی تو ان کو مدینہ کا چاند یاد آ گیا۔ نبی علیہ السلام کی یاد دل میں آ گئی، انہوں نے دعا مانگی:

(اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.) (سنن ابن ماجہ، رقم:۱۸۹۰)

''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور مجھے موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں عطا فرما۔''

اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھانا چاہتے تھے، ایک دشمن قریب تھا۔ اس نے عمر رضی اللہ عنہ پر چاقو کے وار کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے اور گر پڑے۔ جب گر پڑے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز نہیں چھوڑی، ایک اور صحابی آگے بڑھے اور انہوں نے نماز کی امامت کروائی۔ چونکہ عمر رضی اللہ عنہ امامت کروا رہے تھے، اس لیے انہوں نے نماز کو جاری رکھا اور مختصر نماز پڑھائی گئی۔ پھر نماز کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھایا۔

اس لیے یہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ جب کوئی امام امامت کروانے لگے تو جو علماء ہوں ان کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، تاکہ اگر امام کو کوئی مسئلہ پیش آ جائے تو پیچھے والا بندہ نماز کی امامت کر سکے اور ان کی عبادت پوری ہو جائے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نماز کا کیا مرتبہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت پر حملہ ہوا، وہ زخمی پڑے ہیں، ان کا خون بہہ رہا ہے، مگر مسلمان پہلے نماز مکمل کرتے

ہیں، بعد میں ان کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ خیر ایک دو دن گزرے تو پھر اسی زخم کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی۔

اپنی شہادت سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ عبداللہ! جب میری روح نکل جائے تو مجھے جلدی نہلا دینا، کفنا دینا اور جلدی مجھے قبر میں اُتار دینا۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں جلدی کے لیے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہوئے تو تم مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ ناراض ہوئے تو جلدی میرا بوجھ اپنے کندھوں سے نیچے اتار دینا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج۶، ص۵۶)

عمر رضی اللہ عنہ کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے، آپ اندازہ لگایئے کہ ان کے دل میں کتنا اللہ کا خوف ہوگا؟! یہ وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت پالی تھی۔ اس کے باوجود اتنا ڈرتے تھے کہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہیں تو مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر مجھ سے ناراض ہیں تو جلدی میرا بوجھ اتار دینا اور عمر رضی اللہ عنہ کے انجام کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند اشعار ہیں:

زمیں مانگتے تھے نہ زر مانگتے تھے
پیغمبر خدا سے عمر مانگتے تھے
پہاڑوں پہ بھی خوف طاری ہو جس کا
زمیں پر وہ ایسا بشر مانگتے تھے
کرے ساری دنیا پہ اپنا جو سایہ

وہ صحرا میں ایسا شجر مانگتے تھے
جو دنیا میں سارے سروں پر ہو بھاری
وہ ایک ایسا آزاد سر مانگتے تھے
جو فردوس میں ہو سب سے خوبصورت
عمر کے لیے ایسا گھر مانگتے تھے
جدا ہو نہ منزل سے پہلے جو ایسا
وہ اپنے لیے ہم سفر مانگتے تھے

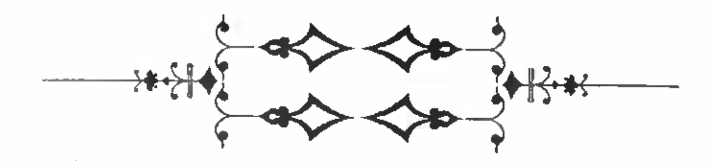
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے ایسا ہم سفر مانگا جو ان سے زندگی میں کبھی جدا نہ ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نبی علیہ السلام سے زندگی میں کبھی جدا نہیں ہوئے۔ ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

مرد جلال مرد ہنر بھیجنا پڑا
اونچے بدن پہ اونچا ہی سر بھیجنا پڑا
آئی صدائے کفر کسی سمت سے اگر
اس شخص کو اکیلا ادھر بھیجنا پڑا
بڑھنے لگا جو زور جہالت کی فوج کا
روئے زمیں پہ رب کو عمر بھیجنا پڑا
سب سے بڑے نبی کی حفاظت کے واسطے
فولاد سے بھی سخت بشر بھیجنا پڑا

نبی علیہ السلام کی حفاظت کے لیے اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو دنیا میں بھیجا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی سچی محبت عطا فرمائے اور جنت میں ہمیں ان کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین



3

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعارف: ①

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ قریش میں سے تھے اور نبی علیہ السلام سے ان کی رشتہ داری پانچویں پشت میں جا کر مل جاتی ہے، ان کی نانی نبی علیہ السلام کے والد گرامی حضرت

عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں، یعنی آپ کے دادا عبدالمطلب کے ہاں دو بچے بھائی اور بہن ایک وقت میں پیدا ہوئے تھے، بھائی کا نام عبداللہ رکھا اور جو بہن تھیں وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نانی بنیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ دارِ ارقم کے دنوں سے پہلے آ کر مسلمان ہو گئے تھے، اس وقت دارِ ارقم کی محفلیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ گویا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، جو لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے ان میں شامل ہیں۔

اسلام کی خاطر قربانی:

فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرے چچا کو بڑی تکلیف ہوئی، اس کا نام حکم بن عاص تھا، اس نے مجھے گھر میں رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تو دین سے واپس نہیں آ جائے گا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾

''اب تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرلو۔''

میں جس دین کو قبول کر چکا ہوں اس دین کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ دو تین دن انہوں نے باندھے رکھا، پھر دو تین دن کے بعد انہوں نے چھوڑ دیا کہ اب اگر یہ مانتا نہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ گویا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دین کی خاطر مشقت بھی اٹھائی اور قربانی بھی دی۔

معاشرتی حیثیت:

معاشرے کے بڑے معزز انسان تھے اور اللہ نے ان کی تجارت میں بڑی برکت رکھی تھی اور وہ بہت مالدار تھے۔ ہر بندہ ان کو ایک کامیاب بزنس مین کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔

جنت کی بشارت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ نبی علیہ السلام ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور کنویں کی منڈیر کے اوپر بیٹھ کر اپنی ٹانگیں مبارک اندر لٹکا کر بیٹھ گئے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ دروازہ بند کر دو، جب کوئی آئے تو پہلے مجھ سے اجازت لینا پھر کھولنا۔

سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، ان کو اجازت دی گئی اور خوش خبری بھی دی گئی کہ ان کو بتادو کہ یہ جنتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ آکر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے، جیسے کرسی پہ انسان پاؤں لٹکا کر بیٹھتا ہے اسی طرح کنویں کے اندر پاؤں لٹکا کر ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، دروازہ کھلا، ان کو بھی جنت کی بشارت ملی، وہ بھی آکر نبی علیہ السلام کے بائیں طرف بالکل ساتھ آکر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے لیے بھی دروازہ کھلا، جنت کی بشارت ملی، اب وہ تشریف لائے تو ساتھ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، کیونکہ نبی علیہ السلام کے دائیں اور بائیں دونوں جگہوں پر حضرات بیٹھے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے بالکل سامنے آکر اسی طرح پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ (الادب المفرد، حدیث: ۱۱۵۱)

اللہ کی شان دیکھیں کہ ان حضرات کے دفن ہونے کی ترتیب بھی اللہ کو یہی پسند تھی، نبی علیہ السلام کی وفات مبارکہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالکل ساتھ دفن ہوئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھوڑے فاصلے پر جنت البقیع کے اندر دفن ہوئے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرشتوں کا حیا: (1)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی طبیعت ناساز تھی، آپ میرے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ وہ حجرہ کوئی بڑا نہیں تھا، ایک طرف سات ہاتھ تھا اور ایک طرف دس ہاتھ تھا، یعنی آپ اگر اس کو دس ہاتھ کی بجائے دس فٹ بھی سمجھ لیں تو بھی وہ چھوٹا سا ہی بنتا ہے، اتنا زیادہ نہیں بنتا، تو فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی جو تہبند کی چادر تھی وہ ایک ٹانگ پر تھوڑی سی اوپر تھی، یعنی جہاں تک موٹی پنڈلی ہوتی ہے یہاں سے نیچے کا حصہ Uncovered (بغیر ڈھکا) تھا اور چادر اوپر کی طرف تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، اجازت مانگی، نبی علیہ السلام نے اجازت دے دی، وہ اندر تشریف لائے تو نبی علیہ السلام جیسے لیٹے ہوئے تھے ویسے ہی لیٹے رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، نبی علیہ السلام نے آنے کی اجازت دی اور اسی طرح لیٹے رہے۔

جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو نبی علیہ السلام اٹھ کر بیٹھ گئے، آپ نے اپنی تہبند کو بھی ٹھیک کر لیا تب اندر آنے کی اجازت دی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بڑی حیران ہوئی، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے آنے پر نبی علیہ السلام نے اس طرح نہیں کیا، ان کے آنے پہ کیوں کیا؟ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ نے ایسا معاملہ کیوں کیا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اَلَا اَسْتَحِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ؟)

''کیا میں اس بندے سے حیا نہ کروں کہ جس بندے سے اللہ کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' (مسند احمد، حدیث: ۲۴۳۳۰)

اللہ نے اسے ایسا باحیا بنایا تھا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

دو ہجرتیں:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، کچھ عرصے کے بعد واپس دوبارہ مکہ تشریف لے آئے اور پھر دوسری مرتبہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی توفیق ملی۔ عام صحابہ نے ایک ہجرت کی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہجرتین یعنی دو ہجرتیں کیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے Double (دوہری) ہجرت کا ثواب عطا فرمایا۔

(اسد الغابہ، ج۱، ص۷۴۹)

مدنی زندگی کا آغاز:

مدینہ طیبہ پہنچے، وہاں پر زندگی گزارنے لگے اور وہاں بھی تجارت ہی شروع کر دی، اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں بہت برکت عطا فرمادی۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح:

نبی علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

خوبصورت ترین جوڑا:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا بچہ تھا، ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے گھر میں کوئی کھانا بنا، آپ نے وہ کھانا مجھے دے کر بھیجا کہ جاؤ میری بیٹی رقیہ کے گھر دے کر آؤ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں چونکہ چھوٹا بچہ تھا جیسے تین چار سال کا بچہ ہوتا ہے، میں وہ

کھانا لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ایک ہی چار پائی کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے وہ کھانا ان کو دیا اور پھر واپس آ گیا اور آ کر میں نے نبی علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ کے حبیب! میں کھانا پہنچا آیا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے سوال پوچھا کہ بتاؤ! تم نے کبھی اتنا خوبصورت جوڑا دیکھا ہے؟ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے فرمانے کے بعد میں نے تصور میں سوچا تو میں حیران ہو رہا تھا کہ واقعی خاوند بیوی سے زیادہ خوبصورت تھا اور بیوی خاوند سے زیادہ خوبصورت تھی، اتنا خوبصورت جوڑا میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا جتنا خوبصورت جوڑا یہ تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۹۷)

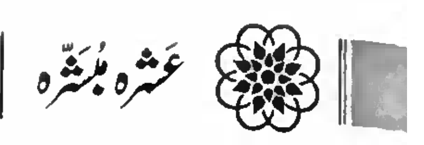
اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن بھی عطا فرمایا تھا اور حسن سیرت بھی عطا فرمایا تھا۔

غزوۂ بدر میں شرکت:

جب بدر کی لڑائی ہوئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ تیاری کر کے اپنے گھر سے نکلے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ میں بھی سفر میں جا سکوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عثمان! تمہاری بیوی بیمار ہے اور اس کی تیمارداری کرنے والا اور کوئی نہیں، میرا مشورہ یہ ہے کہ تم یہیں رہو۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ جا رہے ہیں، اگر وہاں جنگ ہو گئی تو میں محروم ہو جاؤں گا۔ نبی علیہ السلام نے رمایا: تم محروم نہیں رہو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائیں گے، اور اگر اللہ نے فتح عطا فرمائی تو تمہیں اس کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی ملے گا۔

اہلیہ کی وفات:

چنانچہ نبی علیہ السلام کے فرمانے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ گھر رک گئے اور اپنی اہلیہ کی



تیمارداری کرنے لگے۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ جس دن بدر فتح ہوا اسی دن رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی، گویا نبی علیہ السلام کے روکنے میں حکمت تھی۔ (اسد الغابہ، ج۱ص ۷۵۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکاح کی آفر:

اب جب تجہیز و تکفین کا مسئلہ ہوگیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اکیلے تھے، کوئی اچھا رشتہ ہو تو ہر بندے کی تمنا ہوتی ہے کہ میری بیٹی، میری بہن کا رشتہ یہاں ہو جائے، یہ ایک فطری سی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اب بڑی عمر کی ہو چکی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود نکاح پیش کیا یعنی خود Propose (اظہار) کر دیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی عمر کی ہو چکی ہے، میں اس کو تمہارے نکاح میں پیش کر دیتا ہوں۔ جب انہوں نے یہ فرمایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا!

(سَاَنْظُرُ فِیْ اَمْرِیْ)

''میں اس معاملے میں دیکھوں گا۔''

یعنی ہاں نہیں کی، یہ کہا اچھا! میں سوچتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہینہ دو مہینہ انتظار کیا، اب ان کی طبیعت کے اندر ایک غصہ پیدا ہوا کہ معاشرے میں میرا اتنا مقام ہے، میں نے خود اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا، یہ عجیب آدمی ہے، ہاں ناں کرنی تھی تو کر دیتا، میں فارغ ہو جاتا، مجھے لٹکا دیا کہ اچھا میں سوچوں گا۔

عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے بہتر رشتہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے، عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! دیکھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ کیا کیا؟ میں نے خود اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا اور انہوں نے کہا:

اچھا! میں دیکھوں گا اور مجھے آج تک جواب نہیں دیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: عمر! تو غصہ نہ کر، اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ اس سے کروائے گا جو تیری بیٹی سے زیادہ بہتر عورت ہوگی اور اللہ تیری بیٹی کا رشتہ اس بندے سے کروائے گا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر بندہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خاموش تو ہوگیا، مگر مجھے بات سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ہوگا کیسے؟ کچھ دنوں کے بعد نبی علیہ السلام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، انہوں نے میری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو تمہارے نکاح میں پیش کر دیا ہے، یعنی یہ اللہ کے فیصلے تھے، اللہ نے فیصلہ فرما دیا اور نبی علیہ السلام نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دوسرا نکاح ہوگیا تو یہ بات مجھے سمجھ آگئی کہ واقعی نبی علیہ السلام کی صاحبزادی میری بیٹی سے افضل تھی، اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح میری بیٹی سے افضل عورت کے ساتھ کروا دیا، لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ نبی علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بیٹی کا نکاح ایسے بندے سے کروائیں گے جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوگا؟ فرماتے ہیں: مجھے تو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر رشتہ معاشرے میں نظر ہی نہیں آرہا تھا، لیکن کچھ دن گزرے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح فرمالیا، فرماتے ہیں: تب مجھے سمجھ لگی کہ واقعی عثمان رضی اللہ عنہ کی بجائے میری بیٹی کا نکاح اس سے ہوا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تھا۔

(حیاۃ الصحابہ، ج ۴، ص ۳۴، سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۲۲۸)

چالیس بیٹیاں پیش کر دیتا:

اللہ کی شان دیکھیے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہوگئی، نبی علیہ السلام نے عثمان رضی اللہ عنہ کے

بارے میں فرمایا:

(لَوْ اَنَّ لِیْ اَرْبَعِیْنَ بِنْتًا)

''اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں۔''

(زَوَّجْتُ عُثْمَانَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ)(اسد الغابہ،ج ا،ص ۷۵۰)

''تو میں ایک کے بعد دوسری کا نکاح تمہارے ساتھ کرتا چلا جاتا۔''

یعنی چالیس بیٹیاں تمہارے نکاح میں پیش کر دیتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کیا مقام عطا فرمایا تھا!!!

یہودی سے کنویں کی خریداری:

مدینہ طیبہ کے لوگوں کو پانی کے لیے بڑی دقت تھی، ایک ہی کنواں تھا جو یہودی کا تھا اور وہ پانی بیچتا تھا، مسلمانوں میں جو غریب لوگ تھے وہ پانی خرید نہیں سکتے تھے، ان کو مشکل پیش آتی تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے تو میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ اس یہودی کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ اگر تم اپنا کنواں بیچنا چاہتے ہو تو میں خرید لیتا ہوں، وہ یہودی بہت تیز آدمی تھا۔ یہ جو یہودی لوگ ہوتے ہیں یہ پیسے کے معاملے میں بہت عقل مند ہوتے ہیں، ان کا دماغ اس معاملے میں بہت کام کرتا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ خریدنے کے لیے تیار ہیں، لہٰذا اب مجھے Price (قیمت) بڑھا لینی چاہیے۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے Price (قیمت) بڑھا دی۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے نہیں بیچنا، کرتے کرتے اس وقت کے بارہ ہزار دینار انہوں نے دیے، لیکن اس نے

کہا: جی نہیں! میں نہیں بیچتا۔ حضرت عثمان غنی ؓ بھی Business Man (تاجر آدمی) تھے، جانتے تھے کہ بزنس کرنے کی Technices (طریقہ کار) کیا ہوتی ہیں۔ عثمان غنی ؓ نے اس کو ایک تجویز پیش کی کہ دیکھو! قیمت مجھ سے بارہ ہزار لے لو اور حصہ آدھا بیچو۔ اس نے کہا: کیا مطلب؟ فرمایا کہ قیمت بارہ ہزار دے دوں گا اور ایک دن پانی تم نکالنا ایک دن پانی میں نکالوں گا، آدھا پانی میں بیچوں گا آدھا پانی تم بیچ لینا۔ یہودی Trap (تیار) ہو گیا، کہنے لگا: ہاں! بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے سودا کر لیا اور عثمان غنی ؓ نے پوری قیمت دے کر آدھے حقوق خرید لیے۔

کچھ دن معاملہ چلتا رہا، جب عثمان غنی ؓ نے دیکھا کہ اب Deal (معاملہ) پکی ہو گئی، اب یہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو میری باری کا دن ہے، اس دن ہر بندہ آ کر وہاں سے فری پانی نکال سکتا ہے۔ اب جب مسلمانوں کو فری پانی ملنے لگا تو وہ یہودی سے کیوں خریدیں گے؟ چنانچہ یہودی سے خریدنے والا کوئی ہوتا ہی نہیں تھا اور جو عثمان غنی ؓ کا ایک کے بعد دوسرا دن تھا، اس دن بھیڑ لگی ہوتی تھی، سب لوگ اس دن پانی بھر لیتے تھے۔ یہودی نے چھ مہینے تو انتظار کیا اور پھر دیکھا کہ اب میرے پاس Customer (خریدار) کوئی نہیں تو پھر دوبارہ آیا اور کہا: اچھا یار! باقی آدھا حصہ بھی خرید لو۔ عثمان غنی ؓ نے اس کو آٹھ ہزار دینار اور دے دیے اور بیس ہزار دینار میں بئر رومہ کے پورے حقوق خرید کر اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۲۶۸)

جنت کی بشارت:

آپ اندازہ لگائیے کہ زندگی میں حضرت عثمان غنی ؓ کو کئی مرتبہ نبی علیہ السلام کی

مبارک زبان سے جنت کی بشارت ملی، ایک دفعہ نہیں ملی، دو دفعہ نہیں ملی، تین دفعہ نہیں ملی، زندگی میں کئی مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تجھے جنت عطا فرمائیں گے۔

نبی علیہ السلام کی جنگی حکمت عملی:

جب غزوہ تبوک ہوا تو نبی علیہ السلام نے اعلان فرما دیا کہ ہم نے تبوک کی طرف سفر کرنا ہے، سب لوگ تیاری کر لیں۔ عام دستور یہ تھا کہ نبی علیہ السلام جب غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو باتیں کرنا شروع کرتے تھے مشرق کی اور پھر تشریف لے جاتے تھے مغرب کی طرف، تاکہ دشمن کو پتہ نہ چلے، بات Leak (فاش) ہی نہ ہو کہ جانا کہاں ہے؟ یہ ایک جنگی چال ہوتی ہے، طریقہ ہوتا ہے، ورنہ اگر بتا دیا جائے کہ ہمارا یہ ارادہ ہے تو دشمن راستے میں کسی جگہ لشکر کے اوپر حملہ کرنے کی Planning (منصوبہ بندی) کر سکتا ہے، لہٰذا نبی علیہ السلام باتیں پوچھتے تھے ایک طرف کی اور سفر پہ تشریف لے جاتے تھے دوسری طرف، پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کہاں جانا ہے؟ یہ پہلا موقع تھا کہ نبی علیہ السلام نے واضح طور پر بتا دیا۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ روم کا بادشاہ اپنے لشکر کو لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے، اب یہ جو روم کا بادشاہ تھا یہ اس وقت کی بڑی حکومت تھی، جیسے آج کے دور میں سپر پاور ہوتی ہے، آج کے دور میں Russia (روس) اور America (امریکا) کو سپر پاور کہا جاتا ہے، اس زمانے میں فارس اور روم یہ دو پوری دنیا کی سپر پاور تھیں، لہٰذا روم کا حملہ کرنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں تھی اور پھر بات چلی کہ وہ آکر مدینہ پہ حملہ کرے گا۔

نبی علیہ السلام نے ارادہ فرما لیا کہ بجائے اس کے کہ وہ فوج کو لے کر آئے اور مدینہ پہ حملہ کرے، ہم خود نکل کر جائیں گے اور روم کے اوپر حملہ کریں گے اور اس کے ملک

میں اس سے جنگ کریں گے، ہم Battle Field (جنگ کا میدان) اس کے ملک کو بنائیں گے۔

غزوہ تبوک میں منافقین کا طرز عمل:

چنانچہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اعلان فرمادیا کہ تیاری کرو، گرمی کا موسم بھی تھا، اور مسلمانوں کے پاس غربت کی وجہ سے سامان بھی زیادہ نہیں تھا، منافقین اس موقع پہ ایک طرف ہو گئے، وہ کہنے لگے:

﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ ''اس گرمی میں نہ نکلو۔''

گرمی بہت زیادہ ہے اور اس گرمی کے موسم میں سفر اور بھی مشکل ہے، لہٰذا ہم سفر پہ نہیں جا سکتے۔ اللہ نے ان کو جواب دیا:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ (التوبہ:۸۱)

''کہہ دو کہ: جہنم کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے۔''

تبوک کے لیے چندہ:

دوسرا مسئلہ عجیب بنا کہ مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے، اب خالی ہاتھ تو کوئی نہیں جنگ کر سکتا، چنانچہ نبی علیہ السلام نے باقاعدہ اعلان فرمایا کہ جو امیر حضرات ہیں وہ جہاد کے لیے چندہ دیں، مال دیں تاکہ جو غریب لوگ ہیں وہ بھی اس کے لیے تیاری کر سکیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک سو اونٹ سامان کے ساتھ لدے ہوئے دینے کا ارادہ کیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: بہت اچھا! مگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو بہت اچھا نہیں سننا چاہتے تھے، وہ تو چہرے پہ خوشی کے آثار دیکھنا چاہتے تھے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر مجھے خوشی نظر آئے، مگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا: بہت اچھا۔ عثمان

غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے حبیب! میں دوسو اونٹ لدے ہوئے سامان کے ساتھ دوں گا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: بہت اچھا!

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے حبیب! میں تین سو اونٹ سامان کے ساتھ لدے ہوئے جہاد کے لیے پیش کروں گا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو آپ کا چہرہ کھل گیا، خوشی کے آثار ظاہر ہو گئے، تین سو اونٹ سامان کے ساتھ لدے ہوئے بہت بڑا مال تھا، جو جہاد کے لیے پیش کیا گیا تھا۔

نبی علیہ السلام کے لیے سرپرائز:

نبی علیہ السلام ایک جگہ بڑے خوش بیٹھے ہوئے تھے، عثمان غنی علیہ السلام نے Surprise (حیران) دیا، یہ اپنے پاس ایک تھیلی کے اندر ایک ہزار دینار لے کر آئے تھے اور لاکر نبی علیہ السلام کی گود میں ڈال دیے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام ان دیناروں کو ہاتھ میں لے رہے تھے اور خوشی کا اظہار فرما رہے تھے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(مَا ضَرَّ عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ)

''آج کے بعد عثمان جو بھی کرے گا اس کا اس کو نقصان نہیں ہوگا۔''

(ترمذی، حدیث: ۳۷۰۰، سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۱۰۰)

یعنی اللہ اس کو جنت عطا فرما دیں گے۔ تو دیکھیے! نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے بار باران کو جنت کی بشارتیں مل رہی ہیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی سعادت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سعادتیں عطا فرمائی تھیں، ان میں سے ایک سعادت یہ تھی کہ نبی علیہ السلام اپنے صحابہ کو لے کر عمرے کی نیت سے مدینہ سے مکہ کی

طرف تشریف لے گئے، جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش مکہ عمرے کی اجازت نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ آئیں گے تو ہم ان کے ساتھ لڑائی کریں گے، حرم کے اندر لڑائی کرنا نبی علیہ السلام کو پسند نہیں تھا، اور جائز بھی نہیں تھا، لہٰذا نبی علیہ السلام نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

حدیبیہ کے سفیر:

آپ نے چاہا کہ میں کوئی بندہ مذاکرات کے لیے قریش مکہ کے پاس بھیجوں۔ اب بہترین بندے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی وہ قریش کے سفیر تھے اور اللہ نے ان کو بولنے کا ملکہ دیا تھا، سمجھ عقل دی تھی، Personality (شخصیت) دی تھی۔ نبی علیہ السلام نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا: عمر! آپ ہمارے سفیر بن کر جاؤ اور قریش مکہ سے بات کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ جانتے ہیں کہ میں نے بدر میں مشورہ دیا تھا کہ جتنے قیدی ہیں سب اپنے اپنے رشتہ دار کے سپرد کر دیے جائیں اور رشتہ داران کو قتل کر دیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، اور قریش مکہ کو میری اس بات کا پتہ ہے، لہٰذا میں اگر نمائندہ بن کر جاؤں گا تو قریش مکہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے، اس کے علاوہ بھی میں نے ان کو کئی مقامات پہ کہا تھا کہ تمہارے اندر جرات ہے تو تم میرے ساتھ مقابلے کے لیے نکل آؤ! آج میں اکیلا جاؤں گا اور شہر ان کا ہے تو وہ اپنے شہر میں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ:

نبی علیہ السلام نے فرمایا: پھر کیا کیا جائے؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میرے ذہن میں ایک مشورہ ہے اگر اجازت ہو تو میں مشورہ دے دوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں!

دے دو۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجیں، یہ بہترین سفیر بن کر جائیں گے۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: وہ کیسے؟ اے اللہ کے حبیب! میں انہیں جانتا ہوں، یہ Bussiness Man (تاجر آدمی) تھے اور مکہ کے جتنے رؤسا ہیں ان سب کے ساتھ ان کا احسان کا معاملہ ہے، کسی کو انہوں نے قرض دیا، کسی کی مدد کی، کسی کا تعاون کیا، کسی کو مشکل میں سے نکالا، کوئی بندہ ایسا نظر نہیں آتا جن کے ساتھ انہوں نے بھلا نہ کیا ہو، ہر بندہ ان کا احسان مند ہے، جب یہ جائیں گے تو قریش مکہ ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرسکیں گے۔

سفیر نبوت:

نبی علیہ السلام نے اس مشورے کو پسند کیا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر نبوت بنا کر مکہ والوں کے پاس بھیجا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ والوں کے پاس گئے، وہاں جا کر ان لوگوں سے بات چیت کی، ان کو کہا کہ ہم عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش مکہ نے کہا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہماری اجازت کے بغیر آپ لوگ عمرہ کرسکیں، آپ اس سال واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں، ہم آپ کو اگلے سال اجازت دیں گے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھئی! ہم اس وقت آئے ہوئے ہیں، ہم لڑنا تو نہیں چاہتے صرف عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ قریش مکہ نے کہا: بات تو ساری ناک کی ہے، ہماری ناک کٹ جائے گی کہ ہماری اجازت کے بغیر تم آکر عمرہ کر کے چلے گئے، ہم اجازت نہیں دے سکتے۔

اکیلے عمرہ کرنے سے انکار:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ دو تین دن وہیں رہے، اس دوران قریش مکہ نے انہیں کہا کہ آپ اگر

عمرہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ احرام میں ہیں اور مکہ میں آ چکے ہیں، ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں، آپ عمرہ کر لیجیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! میں عمرہ نہیں کروں گا۔ قریش مکہ بڑے حیران ہوئے کہ ہم آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دے رہے ہیں اور آپ نے احرام بھی باندھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا: اس لیے کہ میں عمرہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کروں گا، جب تک میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ نہیں فرمائیں گے عثمان عمرہ کیسے کر سکتا ہے؟!

محبت کی بات:

یہ محبت کی بات ہے اور اس کو محبت والے ہی سمجھ سکتے ہیں، جب تک انسان کے اندر یہ عشق نہ ہو اس کو یہ راز سمجھ میں نہیں آتے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

ع بے عشقِ محمد جو محدث ہیں جہاں میں

یعنی جو لوگ حدیث پڑھاتے ہیں، مگر ان کے دلوں میں غفلت کی وجہ سے نبی علیہ السلام کا عشق نہیں بھرا ہوا۔

بے عشقِ محمد جو محدث ہیں جہاں میں
آتا ہے بخار ان کو، بخاری نہیں آتی

ایسے محدثین کو بخار تو آتا ہے مگر ان کو بخاری نہیں آتی، اس لیے کہ بخاری کا تعلق علم کے ساتھ ہے اور علم اس کو ملتا ہے جس کے دل میں محبت ہوتی ہے، اللہ نے یہ محبت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی تھی، چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

شہادت کی اَفواہ:

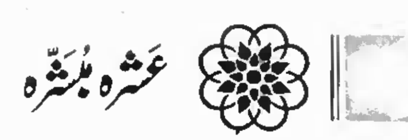
اب ایک اَفواہ نکل پڑی، ایک بات نکل پڑی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، اور یہ

بات پورے مکہ میں پھیل گئی، اب جب یہ بات مکہ میں پھیلی تو نبی علیہ السلام تک بھی پہنچی، جب نبی علیہ السلام تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں بہت دکھ ہوا کہ ہمارے نمائندے کو انہوں نے شہید کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بلایا، اس وقت ان کی تعداد چودہ سو تھی، ان کو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی اطلاع آئی ہے، آپ لوگ میرے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کریں، چنانچہ کیکر کا ایک درخت تھا، اس کے نیچے بیٹھ کر سب صحابہ نے بیعت کی، جس کو ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے۔ سب صحابہ نے بیعت کی، صرف ایک منافق بندہ تھا جس نے اپنے اونٹ کا بہانہ بنایا کہ میرا اونٹ نہیں مل رہا اور میں اونٹ تلاش کرنے کے لیے جا رہا ہوں، جب صحابہ بیعت ہو رہے تھے وہ وہاں سے غائب ہو گیا اور وہ بیعت سے محروم ہو گیا، باقی سب صحابہ نے بیعت کی۔

نبی علیہ السلام کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ:

جب سب صحابہ نے بیعت کر لی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: میرا دل کہتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا، عثمان رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہے، اور چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہے تو میں چاہتا ہوں کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس بیعت میں شامل کر لوں، لہٰذا یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔ نبی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بنا کے پیش کیا اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح سے بیعت کر رہا ہوں، یوں نبی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بنا کر پھر اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر ان کو بیعت کی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: اے میرے محبوب! جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں......

﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''



چنانچہ نبی علیہ السلام کا ہاتھ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بنا اور ان کے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ آ گیا اور اس طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بیعت رضوان میں اللہ نے شمولیت عطا فرما دی، یہ سعادت صحابہ میں سے صرف عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الفتح)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی کے اخراجات:

جب نبی علیہ السلام نے اپنی چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتون جنت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ منسلک کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دیوار کے سائے میں بیٹھا تھا، بڑا پریشان تھا کہ میں غریب ہوں، میرے پاس پیسہ نہیں، میں کیسے رخصتی کرواؤں گا؟ کیسے مہر ادا کروں گا؟ اور کیسے شادی ہوگی؟ فرماتے ہیں کہ اس طرح غمزدہ بیٹھنے کی حالت میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے مجھ سے پوچھا: علی! اتنا پریشان کیوں بیٹھے ہو؟ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں بتایا کہ نبی علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کو نکاح کے لیے پیش کیا ہے، مگر میرے پاس وسائل نہیں ہیں، جن سے میں رخصتی کا انتظام کرسکوں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی! پریشان مت ہو، تمہاری پوری شادی کا خرچہ میں اٹھاؤں گا۔ چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خرچہ کیا اور خاتون جنت کی شادی طے ہوگئی۔

اللہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بڑی سعادتوں سے نوازا۔

ترتیب خلافت کی دلیل:

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنے، یہ جو خلافت راشدہ کی ترتیب ہے یہ نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے، دیکھیے! نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)

(التلخیص الحبیر، رقم: ۲۱۳۰)

''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہوں گے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے۔''

یہ جو ''قَرْنِيْ'' کا لفظ ہے اس میں ترتیب خلافت موجود ہے، ''قَرْنِيْ'' کے لفظ کا ہر حرف ہر خلیفہ کے نام کا آخری حرف بنتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کا آخری حرف ''قاف'' ہے اور قرنی کا پہلا حرف ''قاف'' ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا آخری حرف ''را'' ہے، اور ''قَرْنِيْ'' کا دوسرا حرف بھی ''را'' ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری حرف ''نون'' ہے اور ''قَرْنِيْ'' کا تیسرا حرف بھی ''نون'' ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا آخری حرف ''یا'' ہے اور قرنی کا آخری حرف بھی ''یا'' ہے، لہٰذا اگر ترتیب خلافت دیکھیں تو ان کے جو ناموں کی ترتیب ہے وہ ''قَرْنِيْ'' کے لفظ کے مطابق بنتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ کو یہی ترتیب پسند تھی، اسی لیے لسان نبوت نے فرمایا:

(خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)

''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہوں گے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے۔''

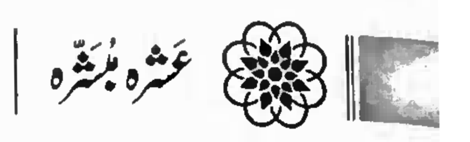
ترتیب خلافت کی عقلی دلیل:

اب اسی بات کو ہم اگر ظاہر میں دیکھیں تو جو رشتے داریوں کے سلسلے ہیں، ان میں بھی یہی ترتیب زیادہ اچھی نظر آتی ہے۔ آپ غور سے دیکھیے! رشتے دو ہوتے ہیں: ایک ہوتا ہے سسر کا اور ایک ہوتا ہے داماد کا، دونوں قریبی رشتے ہیں، لیکن عزت کے

اعتبار سے سسر کا درجہ باپ کی مانند ہوتا ہے اور داماد کا رشتہ بیٹے کی مانند ہوتا ہے، گویا اس معاملے میں سسر داماد سے افضل ہوتا ہے۔ اب نبی علیہ السلام کے خلفائے راشدین چاروں نبی علیہ السلام کے رشتے دار تھے، لیکن ان میں سے دو سسر تھے اور دو داماد تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں سسر تھے، ان کی بیٹیاں نبی علیہ السلام کے نکاح میں تھیں، اور سسر کا درجہ چونکہ پہلے آتا ہے، لہٰذا پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، پھر اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ اس کے بعد دامادوں کی باری آئی تو دامادوں میں سے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں دو بیٹیاں تھیں، لہٰذا وہ افضل بنے بنسبت اس کے جس کے پاس ایک بیٹی تھی۔ چنانچہ تیسرے نمبر پر عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، لہٰذا چاروں کی ترتیب خلافت کو اگر رشتے داری کے نکتہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو بھی صحیح نظر آتی ہے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قیام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک شوریٰ بنا دی تھی کہ یہ بدری صحابہ ہیں اور عظیم ہیں، ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں، یہ جس پر متفق ہوں گے وہ مسلمانوں کا خلیفہ بنے گا۔ ان میں ایک صحابی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، وہ بڑے سمجھدار اور بڑے بزرگ صحابی تھے، پوری مجلس شوریٰ نے ان کے ذمے لگا دیا کہ آپ جس کو پسند فرمائیں گے ہم اسی پر بیعت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ انھوں نے شوریٰ کے ہر ہر بندے سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ بتاؤ! کس کو خلیفہ کے لیے تجویز کیا جائے؟ سب نے اپنی اپنی رائے دی، پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب بدری صحابہ سے مشورہ کیا، پھر اس کے بعد جو علماء صحابہ تھے میں نے ان سے بھی فرداً فرداً



سب سے مشورہ کیا، جب میں سب سے مشورہ کر چکا تو پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ کیا، میں نے ان کو کہا کہ مجھے یہ بتائیں کہ اگر آپ کے سوا کسی اور بندے سے بیعت کرنی پڑے تو مسلمان کن سے بیعت کریں؟ انہوں نے کہا: میری نظر میں عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی بندہ نہیں ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میری نظر میں عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کوئی بہتر بندہ نہیں ہے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عثمان! میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آج کے بعد آپ ہمارے خلیفہ ہوں گے۔

چنانچہ ان کے بیعت کرنے کے بعد جتنے صحابہ تھے ان سب نے متفقہ طور پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہاتھ کے اوپر بیعت کی، اس طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلیفہ راشد متعین ہو گئے۔

نشر قرآن کا کارنامہ: 1

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو کام بہت عجیب ہوئے، ایک تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو کتابی شکل میں چمڑے کے اوپر لکھوایا۔ آج کل تو کاغذ کا بنا ہوا صفحہ ہوتا ہے، لیکن اس زمانے میں کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا، لہٰذا چمڑے کے اوپر کھود کے لکھا جاتا تھا۔ انہوں نے چمڑے کے صفحے بنوائے اور اس کے اوپر کھود کر آیات لکھوائیں۔

یہ قرآن مجید کی آیات پہلے مختلف پارچہ جات کے اوپر تھیں، جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمع کروا دیا تھا، اب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک Step (قدم) اور آگے لیا، ان سب کو اکٹھا کروا کر ایک کتابی شکل میں ان کو

لکھوایا اور باقاعدہ اس کی جلد بنوا کر ایک کتاب بنوائی، اس طرح سات کتابیں بنوائیں۔ اس زمانے میں اسلام کے سات صوبے تھے، ہر صوبے کے اندر ایک کتاب بھجوائی اور ان کو فرمایا کہ تم اس کے اوپر سب کو اکٹھا کردو۔

چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ناشر القرآن بن گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جامع القرآن بنے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو پوری دنیا کے اندر نشر کیا، اس لیے وہ ناشر القرآن بن گئے۔

دنیا کو ایک قرأت پر جمع کرنا:

پھر انہوں نے قرآن مجید کے اندر سات قرأتوں میں سے ایک کے اوپر سب کو اکٹھا کردیا۔ ''سبعة أحرف'' کی بجائے ایک کے اوپر سب کو اکٹھا کردیا، آج اس ایک قرأت کے اوپر پوری امت تلاوت کرتی ہے اور امت کے اندر اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جو کارنامہ تھا کہ قرآن مجید کو کتابی شکل میں پیش کرنا اور ایک قرأت کے اوپر ساری امت کو اکٹھا کرنا یہ صرف سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ تھا۔

آپ کے دورِ خلافت کی فتوحات:

دوسرا ان کے دور خلافت میں یہ ایک الگ طرح کا کام ہوا کہ دین اسلام کو بہت فتوحات ہوئیں، ایک طرف اندلس فتح ہوا اور افریقہ کے جتنے ممالک تھے سب فتح ہوئے، دوسری طرف Russia (روس) کی جو ریاستیں تھیں قزاقستان، ازبکستان، ترکمانستان یہ ساری فتح ہوئیں، حتیٰ کہ مسلمان Russia (روس) سے آگے بڑھتے بڑھتے China (چین) تک جا پہنچے، چوالیس لاکھ مربع میل تک اسلام پھیل گیا، اللہ نے ان کے دور میں اسلام کو اتنی وسعت عطا فرمادی۔

رشیا میں دین پھیلانے والی ہستیاں:

اب جس نے Russia (روس) میں دین پھیلا تھا یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، ان کا نام قثم بن عباس رضی اللہ عنہ تھا، ان کی برکت سے پھیلا تھا، وہ نبی علیہ السلام سے بہت مشابہت رکھتے تھے، چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(كَانَ يَشْبَهُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم) (اسد الغابہ، ج۵، ص۴۲۰)

''وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔''

ان کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، انہوں نے سمرقند اور بخارا کو فتح کیا اور سمرقند کے اندر شہید ہوئے اور آج بھی وہیں مدفون ہیں۔

دوسرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے تھے، ان کا نام سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھا، وہ بھی ایک لشکر کے امیر تھے، ان کو بھی اللہ نے فتوحات دیں، انہوں نے بھی Russia (روس) کا بہت سارا علاقہ فتح کیا اور ان کی تدفین بھی سمرقند میں ہوئی، ان کا مزار بھی سمرقند کے اندر ہے۔

ان دو ہستیوں کی وجہ سے اللہ نے پورے ان علاقوں میں دین اسلام کو پھیلا دیا، حتیٰ کہ یہ China (چین) تک بھی جا پہنچے۔ چنانچہ اتنے علاقے میں دین کو پھیلانے کا یہ جو اعزاز تھا یہ اللہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا، مال غنیمت اتنا آ گیا تھا کہ بیت المال کے اندر سماتا نہیں تھا، اللہ نے مسلمانوں کے دن بدل کے رکھ دیے تھے۔

مسجد نبوی کی توسیع:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ مسجد نبوی چھوٹی ہوگئی ہے، اب اس کو بڑا کرنے کی

ضرورت ہے، چونکہ دین پھیل گیا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، لہٰذا انہوں نے اپنا پیسہ لگا کر مسجد نبوی کی توسیع فرمائی، یہ سعادت بھی اللہ نے ان کو دی۔ پہلی سعادت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملی تھی کہ انہوں نے دو یتیموں کا گھر خرید کر مسجد کے لیے پیش کیا تھا، جس پر نبی علیہ السلام نے مسجد بنادی تھی اور دوسری سعادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملی، انہوں نے اپنے زمانے میں مزید جگہ خرید کر مسجد نبوی کو اور وسیع کر دیا تھا۔

مسجد نبوی میں محراب کی ابتدا:

مسجد نبوی میں سب سے پہلے Construction (تعمیر) میں لوہے کا استعمال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ پھر مسجد کے اندر محراب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنوایا، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے دوران شہید کیا گیا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ امام کے لیے لوگوں کی صفوں میں سے گزر کر آنے میں خطرہ ہے، لہٰذا ایک راستہ ایسا بنایا جائے کہ امام بغیر صفوں سے گزرے سامنے سے آئے اور امامت کروائے۔ چنانچہ انہوں نے محراب بنوایا اور محراب کے اندر سے باہر کی طرف راستہ بنایا، جیسے اب ہم محراب کے اندر سے مسجد سے باہر نکلنا چاہیں تو نکل سکتے ہیں، یہ جو محراب سے باہر کا راستہ بنانے کا عمل ہے یہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔

جمعہ کی دوسری اذان کا اجراء:

پھر جمعہ کے دن جو پہلی اذان ہوتی ہے یہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شروع کروائی تھی، مسلمان زیادہ ہوگئے تھے اور ان کو بلانے میں دقت ہوتی تھی، اس لیے فرمایا کہ جب زوال کے بعد جمعہ کا ٹائم شروع ہو جائے تو اس وقت ایک اذان دو اور پھر خطبہ سے پہلے ایک اذان دی جائے۔ (سنن ابی داود، حدیث:۱۰۸۹)

چنانچہ جو ہم پہلی اذان دیتے ہیں یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کروائی تھی۔ کیونکہ خطبہ سے پہلے والی اذان تو نبی علیہ السلام کے زمانے سے ہوتی چلی آرہی تھی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل عین حدیث کے مطابق ہے اوراس کی تصدیق نبی علیہ السلام نے فرمائی:

(عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ)

''تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو۔'' (شرح معانی الآثار، حدیث: ۴۶۸)

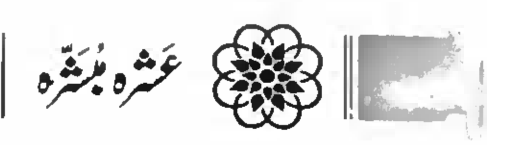
جمعہ کے دن کا ایک خصوصی عمل:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں بہت خرچ کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے اور اگر کسی جمعہ کو ناغہ ہوجاتا تو اگلے جمعہ کو دو غلام آزاد کر دیتے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر، ج۳۹،ص۲۸)

اللہ نے دل کو ایسی سخاوت عطا فرمائی اور دین کے لیے ایسا دل عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کو لسان نبوت سے کئی مرتبہ جنت کی بشارت مل گئی۔

آپ کا دورِ خلافت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ سال خلافت کی، اب اس بارہ سالہ دورِ خلافت میں جو پہلے چھ سال تھے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا، وہ چھ سال اتنے فتوحات کے گزرے کہ ہر بندہ حیران تھا۔لوگ کہتے تھے کہ اللہ نے اس خلیفہ کو کیا برکات دی ہیں کہ چاروں طرف دنیا میں اسلام پھیل رہا ہے، پھر اس کے بعد کچھ ایسے واقعات ہونے شروع ہو گئے تھے کہ جس پر بعض لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔



سببِ شہادت، گورنر مصر کی معزولی:

ان میں سے ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جو ان کی شہادت کا سبب بنا، وہ واقعہ یہ تھا کہ مصر میں ایک گورنر تھے جوذرا مزاج کے اور طبیعت کے تیز تھے، وہ لوگوں کے اوپر سختی کرتے تھے اور لوگوں کو یہ سختی مشکل میں ڈالتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ برائے مہربانی گورنر کو بدل دیجیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ کس کو ان کی جگہ گورنر بنایا جائے؟ ان کو بتایا گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جو بڑے بیٹے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے بہتر بندہ اس وقت مدینے میں دوسرا نہیں ہے۔

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مصر میں تقرری:

چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو Letter (خط) لکھ کر دیا کہ آپ مصر جائیں اور یہ Letter (خط) اس گورنر کو دیں، اس کو کہیں کہ وہ میرے پاس یہاں مدینہ میں آجائے اور اس کی جگہ آپ وہاں گورنر بن کر Charge (عہدہ) سنبھال لیں۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ دار تھے، انہوں نے سوچا کہ میں اکیلا جاؤں گا تو پتہ نہیں میری بات پہ کوئی اعتماد کرے گا یا نہیں، میں مدینہ سے کچھ بڑے صحابہ کو ساتھ لے کر جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ صحابہ کو دعوت دی تو ان کے ساتھ کئی سو صحابہ سفر پر چل پڑے، گویا کئی سو صحابہ کا یہ ایک Group (گروہ) تھا جو سفر پر روانہ ہوا۔

دورانِ سفر ایک عجیب واقعہ:

اللہ کی شان دیکھیے کہ راستے میں ایک جگہ انہوں نے پڑاؤ کیا تو پڑاؤ کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک صحابی نے ایک حبشی کو دیکھا جو اونٹ کے اوپر

بڑی تیزی کے ساتھ جا رہا تھا۔ اُن کو شک گزرا کہ یہ کہیں دشمن کا بندہ تو نہیں ہے جو ہماری سی آئی ڈی کر کے کہیں جا رہا ہو، انہوں نے اس بھاگتے ہوئے غلام کو پکڑ لیا۔ اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں۔ یہ اونٹ کس کا ہے؟ یہ اونٹ بھی انہی کا ہے۔ کہاں جا رہے ہو؟ بس میں سفر پہ جا رہا ہوں۔ کس کام کے لیے جا رہے ہو؟ بس میں جا رہا ہوں۔ اب اس صحابی کو شک گزرا کہ کوئی نہ کوئی بات اندر ہے۔

Something is seriously wrong somewhere

انہوں نے ان کو پکڑا اور پکڑ کر حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آئے کہ جی یہ جا رہا تھا اور تیز بھاگ رہا تھا، مجھے شک گزرا تو میں پکڑ کے لایا ہوں۔ اب انہوں نے اس کو Interrogate (تفتیش) کیا۔ بھئی! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: جی میں پیغام لے کے مصر کے گورنر کے پاس جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مصر کا گورنر تو مجھے بنایا گیا ہے اور میں جا رہا ہوں، تم کیا کرنے جا رہے ہو؟ چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کی تلاشی لینے کا حکم فرمایا تو اس کے سامان میں سے ایک رقعہ ملا اور اس رقعے پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو پرانا گورنر تھا اس کے نام لکھا ہوا تھا کہ میں محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، جب یہ پہنچے تو تم اسے قتل کر دینا اور اپنی حکومت کو اچھی طرح سنبھالے رکھنا، اس پر مہر بھی لگی ہوئی تھی۔

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدینہ واپسی:

اب محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے کہ ایک طرف مجھے Appointment Letter (تقرری کا خط) دیا ہے اور میں جا رہا ہوں، دوسری

طرف میرے قتل کا حکم بھی دے دیا ہے۔ انہوں نے دوسرے صحابہ کو بتایا تو صحابہ نے کہا کہ لگتا ہے یہ کوئی سازش ہے، ہمیں واپس مدینہ جانا چاہیے اور اس کی تفتیش کرنی چاہیے، چنانچہ حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے نہیں گئے اور واپس مدینہ آ گئے۔ واپس آ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ساری بات بتائی، انہوں نے فرمایا کہ نہیں! میں نے کوئی اپنا بندہ نہیں بھیجا۔ حضرت! یہ غلام آپ کا ہے؟ فرمایا: ہاں! غلام تو میرا ہے۔ یہ اونٹ آپ کا ہے؟ اونٹ تو میرا ہی ہے، لیکن چونکہ میرے بہت سارے اونٹ ہیں، بہت سارے غلام ہیں، اور میرے کام کرنے والے لوگ غلاموں کو کسی نہ کسی کام پہ بھیجتے رہتے ہیں، آفس تو چلتا رہتا ہے، لیکن اس کو میں نے نہیں بھیجا، میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ Letter (خط) میں نے نہیں لکھا اور میں نے یہ Order (احکام) نہیں دیے۔

ان حضرات نے کہا کہ آپ کے قسم اٹھانے پر ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ کی طرف سے ایسی بات کوئی نہیں ہوئی، لگتا یہ ہے کہ آپ کے جو نیچے کام کرنے والے ہیں ان میں کوئی بندہ ایسا ہے کہ جس نے سازش کی ہے اور وہ اس طرح محمد بن ابوبکر کو قتل کروانا چاہتا تھا اور فساد مچانا چاہتا تھا، لہٰذا ہمیں اختیار دیں کہ ہم آپ کے ماتحت دفتر کے جو لوگ ہیں ان کا محاسبہ کریں اور ان میں سے پکڑیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتے دار پر شک:

ایک آدمی اس وقت کام کرتا تھا جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا رشتے دار تھا، اس کا نام مروان تھا، ان کو اس پہ شک تھا کہ یہ چونکہ قریبی ہے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جو مہر لگائی گئی تھی یہ یہی لگا سکتا ہے اور یہی یہ کام کر سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ مروان کو ہمارے حوالے کرو۔

مروان کو حوالے کرنے سے انکار:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر میں نے مروان کو ان کے حوالے کر دیا تو یہ لوگ تو اس کو قتل کر دیں گے، اس طرح ایک اور قتل کا معاملہ شروع ہو جائے گا اور اس کا ذمہ دار میں بنوں گا۔

چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھے تھوڑے دن دو، میں پہلے خود تفتیش کرتا ہوں، جو مجھے مجرم ملے گا میں آپ لوگوں کے حوالے کر دوں گا۔

نکتۂ اختلاف:

اب نزاع کا جو Point (نکتہ) تھا وہ یہی تھا، لوگ کہتے تھے کہ نہیں! فلاں کو ہمارے حوالے کرو اور حضرت فرماتے تھے کہ میں خلیفہ ہوں، مجھے موقع دینا چاہیے، دس دن، مہینہ، دو مہینے، میں تفتیش کروں، جو تفتیش میں مجرم نکلے گا میں اس کو حوالے کر دوں گا، میں ایسے ہی کوئی بندہ کیسے حوالے کر دوں؟ اگر ایسے ہی کوئی بندہ حوالے کر دوں گا تو میں مجرم بنوں گا۔

گھر میں محصوری:

چنانچہ انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے مجمع لگا لیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے اندر بند ہو کر محصور ہو گئے۔ مدینہ کے باقی صحابہ نے پوچھا کہ حضرت! آپ خلیفہ ہیں، ہمارے بارے میں حکم فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا: میں مدینہ میں کوئی فساد نہیں چاہتا، کوئی خون خرابہ نہیں چاہتا، تم سب لوگ مسجد میں جاؤ، اپنے گھروں میں جاؤ اور مدینہ میں کوئی جھگڑا مت کرو۔ معاملہ میری ذات کا ہے تو کوئی بات نہیں، میں اپنے اوپر سختی برداشت کر لوں گا، مگر میں کسی بندے

کو اپنے ہاتھ سے بغیر تحقیق اور تفتیش کے کسی کے حوالے نہیں کرسکتا۔

بلوائیوں کا واویلا:

اب وہ جو بلوائی تھے، فتنہ مچانے والے تھے ان کی تعداد ڈیڑھ سو تھی، ڈیڑھ سو بندے تو ویسے ہی کسی بات پر جمع ہوجاتے ہیں، یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی، مگر ان ڈیڑھ سو بندوں نے اودھم مچادیا کہ جی! اگر ہمیں یہ بندہ حوالے نہیں کرتے تو ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے، ایک صحابی نے مشورہ بھی دیا کہ آپ خلیفہ ہیں اور آپ کے حکم پر اندلس اور کہاں کہاں کے ملک فتح ہوگئے ہیں، آپ حکم فرمائیں گے تو ان ڈیڑھ سو بندوں کو ہم یہاں سے غائب ہی کردیں گے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی ذات کی خاطر مدینہ میں خون نہیں بہانا چاہتا، چنانچہ اپنے گھر تشریف لے آئے اور وہاں آکر آپ محصور ہوگئے۔

خوراک پانی کی بندش:

دروازے کے اوپر جو لوگ کھڑے تھے، انہوں نے خوراک اندر پہنچانے سے روک دیا، چنانچہ کئی دن تک پانی اندر نہیں گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب کئی دن گزر گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیوار کے اوپر سے سر باہر گلی کی طرف نکالا اور فرمایا کہ اگر طلحہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں تو بتائیں، طلحہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ اگر زبیر رضی اللہ عنہ موجود ہیں تو وہ بتائیں، یہ بدری صحابہ تھے، وہ بھی نہیں تھے۔ انہوں نے فرمایا: اچھا! اگر علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں تو وہ بتائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے، فرمایا: ہاں! میں یہاں موجود ہوں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی! آپ بتاؤ، کیا میں نے مسلمانوں کے لیے بیس ہزار دینار خرچ کرکے بئر

رومہ کو نہیں خریدا تھا اور سارے مدینہ کے لوگوں کے لیے اس کو وقف نہیں کر دیا تھا؟ جس نے پورے مدینے کے لوگوں کو پانی پلایا، آج تین دن گزر گئے مجھے پینے کے لیے پانی نہیں دیا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو انہوں نے اپنے غلاموں کو پانی کی بھری ہوئی تین مشکیں دے کر بھیجا کہ جاؤ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا کر آؤ۔ وہ غلام جب پہنچانے کے لیے آئے تو جو فتنہ باز لوگ کھڑے تھے انہوں نے ان میں سے کچھ غلاموں کو قتل کر دیا، مگر پانی بہر حال اندر پہنچ گیا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مشورہ:

اس محاصرے کے دوران عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو پہلے غیر مسلم تھے، بعد میں مسلمان ہوئے، وہ آئے اور انہوں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دیوار کے باہر سے بات کی کہ حضرت! آپ خلیفہ ہیں، آپ اگر چاہیں تو مدینہ سے مکہ چلے جائیں، مکہ کے مسلمان آپ کی مدد کریں گے اور یہ بلوائی وہاں نہیں جا سکیں گے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آچکا ہوں، اب واپس مکہ جا کر میں اپنی ہجرت کو فسخ نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت! آپ اگر اس Option (رائے) کو پسند نہیں کرتے تو آپ حاکم وقت ہیں، آپ مدینہ کے لوگوں کو حکم فرمائیں، وہ ان ڈیڑھ سو بندوں سے نمٹ لیتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ حرم ہے اور میں حرم کے اندر قتل وخون کو پسند نہیں کرتا، صرف میری ذات کی بات ہے، میرے ساتھ یہ فسادی جو کرلیں، مگر میں کسی اور مسلمان کے خون کا بہانا پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد ایک Option (رائے) یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت چھوڑ دیتے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا! کسی اور کو خلیفہ چن لو، مگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام سے خود یہ سنا تھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا: عثمان! تمہیں ایک لباس عطا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد ایک وقت آئے گا کہ اتارنے کے لیے کہا جائے گا، تم اس کو مت اتارنا، تم اس کو مت اتارنا۔ چونکہ نبی علیہ السلام نے خود مجھے یہ فرمایا تھا کہ تم اس کو مت اتارنا، لہٰذا میں خلافت کو خود نہیں چھوڑ سکتا، اب سارے Option (رائے) ختم ہو گئے۔

محاصرے کے دوران نبی علیہ السلام کی زیارت:

پھر ایک دن ایسا آیا کہ جب محاصرہ لمبا ہو گیا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! اب تو آپ باہر آجائیں، ہم آپ کی حفاظت کرتے ہیں، یہ ڈیڑھ سو بندے کیا ہیں جنہوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو! میں روزے سے ہوں اور آج رات میں نے نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی ہے اور نبی علیہ السلام نے مجھے فرمایا ہے: عثمان! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، تم اپنا روزہ میرے پاس آکر افطار کرنا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس خواب کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ مجھے اب شہید کر دیا جائے گا۔ شہادت کی خوشخبری تو پہلے ہی مل چکی تھی، نبی علیہ السلام نے احد کے پہاڑ کے اوپر بتا دیا تھا کہ تیرے اوپر شہید موجود ہیں تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر پہلے مل چکی تھی، لیکن اب ان کو اس خواب کے بعد یقین آ گیا تھا کہ وہ وقت آ گیا ہے جب یہ بات پوری ہو جائے گی۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کی حفاظت:

اب معاملہ اور شدت اختیار کر گیا تھا، بڑے بڑے صحابہ جو تھے وہ پریشان تھے کہ ہمیں تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے کہ آپ اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ جاؤ، اب ہم

اورتو کچھ کرنہیں سکتے ، ہم یہ کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کو یہاں حفاظت پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دروازے کے اوپر پہرے داری کے لیے متعین کر دیا۔ یہ سب نوجوان تھے Young Blood (جوان العمر) تھے، انہوں نے کہا کہ ہم گھر کی حفاظت کریں گے اور کسی بلوائی کو گھر کے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ کئی دن ان لوگوں نے پہرہ دیا اور کوئی بلوائی اندر داخل نہیں ہوسکا۔

بلوائیوں کی خباثت:

اس دوران بلوائیوں نے ایک اور شرارت کی، انہوں نے سوچا کہ گھر کے دروازے سے ہمیں کوئی اندر جانے نہیں دے رہا، ہم کسی اور طرف سے داخل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک انصاری کا گھر قریب تھا، وہ دیوار کے ذریعے سے پہلے اس انصاری کے گھر میں داخل ہوئے اور اس کی دیوار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس آئے، ان میں محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور تین بندے اور بھی تھے۔ جب محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ سب آپ نے کیا ہے؟ کہ ایک طرف آپ نے مجھے گورنر بنایا اور دوسری طرف میرے قتل کرنے کا حکم دے دیا، یہ معاملہ کیا ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ نہیں! میں نے ایسا نہیں کیا۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ غصے میں تھے اور ان کی آواز ذرا اونچی تھی، انہوں نے جب اونچی آواز میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: محمد! سوچو اگر اس وقت تمہارے باپ ہوتے تو وہ میرے ساتھ کیسا معاملہ

کرتے ؟ اور تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ یہ بات ایسی تھی کہ محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کے اوپر جا کے لگی اور وہ گھر چھوڑ کے وہاں سے واپس چلے گئے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

ان کے چلے جانے کے بعد جو باقی تین بندے تھے وہ مدینہ کے نہیں تھے، وہ فسادی لوگ تھے، مصر کے لوگ تھے جو ساتھ جڑے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کوئی ہلہ گلہ کیا جائے، ان میں سے ایک بندے نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سر کے اوپر ایک لوہے کی راڈ ماری اور اس طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

شہادت کا گواہ اللہ کا قرآن:

اس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تلاوت کر رہے تھے اور ان کے خون کے قطرے قرآن مجید کے اوپر بھی گرے اور جس جگہ پر گرے وہاں یہ الفاظ تھے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ﴾

''اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا۔''

شہید تو دنیا ہوتی ہے مگر ان کا خون زمین کے اوپر گرتا ہے، یہ دنیا کا وہ شہید تھا جس کے خون کے قطرے اللہ کے قرآن کے اوپر گرے، قیامت کے دن اللہ کا قرآن ان کی شہادت کی گواہی دے گا۔

شہید مظلوم:

اللہ کی شان کہ وہ شہید مظلوم تھے، ان کو ظلم کی وجہ سے شہید کیا گیا، کوئی حق نہیں بنتا تھا کہ جنہوں نے دین کے لیے اتنی خدمت کی ہو اور مسلمانوں کی اتنی خیر خواہی کی ہو اور مسلمانوں کے اوپر اتنا مال لٹایا ہو ان کو شہید کیا جائے، مگر انسان فطری طور پر

احسان فراموش ہے، لہٰذا وہ احسانات کو بھول جاتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پہ غصے میں آ کے اپنی مرضی کرنے پہ تل جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا رتبہ عطا فرمانا تھا، ان کو شہادت نصیب ہوگئی اور وہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید بن گئے۔

(اسد الغابہ، ج ا ص ۷۵۴)

لوگوں میں تحمل کی کمی:

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ظلم کے ساتھ قتل کیا گیا۔ ورنہ قتل کی کوئی وجہ بنتی نہیں تھی، وہ ایک مہینہ صبر ہی کر لیتے کہ ٹھیک ہے ہم آپ کو ایک مہینہ دیتے ہیں، آپ اپنی تفتیش کے بعد جس کو مجرم سمجھیں گے ہمارے حوالے کر دیں اور ہم اس کو سزا دیں گے۔ یہ چھوٹی سی بات تھی مگر طبیعت میں جلد بازی ہوتی ہے، ایسے میں انسان صبر نہیں کر پاتا اور اللہ تعالیٰ یہیں بندے کو آزماتے ہیں کہ اس کے اندر تحمل ہے یا جلد بازی ہے۔ جلد بازی کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے پروں کے پرندے بن جاتے ہیں اور ذرے سے پہاڑ بن جاتے ہیں، دل کے اندر اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ کسی بات کو دل میں لے کے چند دن صبر کے ساتھ گزار لیں، تو گویا بلوائیوں نے ناحق طریقے پر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

اہلیہ کا بیان:

ان کی اہلیہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے پھر بعد میں تفتیش کی گئی کہ کس بندے نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا؟ انہوں نے کہا: میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تھے، غصے میں کلام کیا تھا، لیکن جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سوچو! تمہارے باپ میرے ساتھ کیا معاملہ کرتے؟ اس بات پہ وہ شرمندہ ہو کر گھر چھوڑ کے

چلے گئے، میں گواہی دیتی ہوں کہ اس نے شہید نہیں کیا۔ پھر کس نے کیا؟ وہ کہنے لگی: کوئی انجان لوگ تھے، میں ان کی شکل نہیں پہچانتی۔ اب اس کا مطلب یہ کہ فسادی لوگوں نے ایک فساد مچانا تھا اور فساد مچا دیا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر الزامات:

تاریخ والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کچھ الزام بھی لگائے، آپ ذرا غور کیجیے! ان میں سے کچھ الزام تو بہت ہی فضول قسم کے الزام تھے۔

بدری صحابی نہ ہونے کا الزام:

مثلاً ایک الزام یہ لگایا کہ جی آپ بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو آپ بدری صحابی نہیں ہیں، اس لیے آپ کو خلیفہ بننے کا حق حاصل نہیں تھا۔ آپ اندازہ لگایئے! بھلا یہ کوئی اعتراض ہے کرنے والا، جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی گھر میں لگا دی کہ تم اپنی بیوی کی تیمارداری کرو اور اگر ہمیں فتح ہوئی تو ہم مال غنیمت میں تمہارا حصہ بھی رکھیں گے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے باقاعدہ ان کو غنیمت میں سے حصہ دیا۔ گویا نبی علیہ السلام نے ان کو خود بدری صحابی شمار کیا اور ان کو حصہ بھی دیا، اب کون ہے کہ جو کہنے والا ہو کہ وہ بدر گئے کیوں نہیں؟

فضول قسم کی دلیل:

پھر اس پر دلیل دینے والوں نے بہت ہی فضول قسم کی دلیل دی، یعنی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی کہ جی! انہوں نے غزوہ تبوک میں جانا تھا، مگر نہیں گئے اور اس کی وجہ سے ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی ہوئی۔ بھئی! دونوں قصوں میں فرق تو دیکھو، وہاں جانا تھا، حکم نبوت تھا کہ جاؤ! لیکن کسی عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے، لہٰذا ان کا قصہ الگ ہے۔

یہاں جانا چاہتے تھے، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے تیار ہو کر نبی علیہ السلام کے پاس آ گئے تھے، پھر نبی علیہ السلام نے ڈیوٹی لگا دی کہ تم اپنے گھر میں جاؤ، اپنی بیوی کی تیارداری کرو، تمہیں ہم مال غنیمت میں سے بھی حصہ دیں گے اور تمہیں اس میں سے ثواب بھی ملے گا۔ جب نبی علیہ السلام نے متعین فرما دیا تو اس قصے کی تائید میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصے کو پیش نہیں کر سکتے، لہٰذا جنہوں نے الزام لگایا وہ بھی غلط تھے، جنہوں نے اس کے لیے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش کیا وہ بات بھی غلط تھی۔

رشتے داروں کو عہدے دینے کا الزام:

ایک الزام ان کے اوپر یہ لگایا گیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے رشتے داروں کو بڑے بڑے عہدے دیا کرتے تھے، اور یہ الزام قریبی وقت کے بڑے بڑے علماء نے بھی لگایا۔

خلافت وملوکیت میں تنقید:

''خلافت وملوکیت'' ایک کتاب ہے جو ایک صاحب نے لکھی، جن کی پاکستان کے اندر ایک بہت بڑی جماعت ہے، جو ''جماعت'' پہلے ہے اور ''اسلامی'' بعد میں ہے، ایک ہوتا ہے اسلامی جماعت کہ اسلام پہلے ہے جماعت بعد میں ہے، ان کے ہاں جماعت پہلے ہے اسلام بعد میں ہے، انہوں نے بھی خلافت وملوکیت میں یہی بات لکھی کہ جی! اپنے رشتے داروں کو بڑے بڑے عہدے دے دیا کرتے تھے، اب آپ خود سوچیے کہ یہ کوئی اعتراض کرنے والی بات ہے؟

خوبصورت جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی عہدے کا اہل ہو اور وہ رشتے دار بھی ہو تو کیا اس کو عہدہ نہیں دینا چاہیے؟ رشتے داروں کے ساتھ تو زیادہ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ سن لیجیے کہ عثمان غنی کے جتنے رشتے دار گورنر تھے ان میں سے دو یا تین ایسے تھے جن کو عثمان غنی نے Appointment (تقرری) دی تھی اور اس کے علاوہ باقی جتنے تھے وہ سارے کے سارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے Appoint (تعینات) کیے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگے چلنے دیا تھا اور ان کو اتارا نہیں تھا، اتارنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی، لہٰذا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب تھا اور وہ پہلے سے گورنر بنے ہوئے تھے اور اچھا کام کر رہے تھے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کو کیوں گورنری سے اتار دیتے۔

آپ ذرا خود سوچیے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے رشتے داروں کو اس لیے چنا کہ ان سے بہتر بندہ گورنری کے لیے نہیں تھا تو کیا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قصور ہے؟ اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں، چنانچہ ان کے تیس یا بتیس یا جو بھی رشتہ دار تھے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر بنایا تھا اور دو تین وہ تھے جن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خود گورنر بنایا، اس سے بات نکال لی کہ جی! اپنے رشتے داروں کو وہ بڑے بڑے عہدے دے دیا کرتے تھے۔

بڑی بڑی رقمیں ہدیہ دینے کا الزام:

پھر اس کے ساتھ یہ الزام بھی لگایا کہ اپنے رشتے داروں کو بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں دے دیا کرتے تھے۔ بندہ ان سے پوچھے کہ اگر بیت المال کا پیسہ ہدیے میں دیا ہے تو اعتراض کی گنجائش نکلتی ہے کہ خلیفہ وقت نے صحیح فیصلہ نہیں کیا، اگر ذاتی مال ہدیے میں دیا ہے تو تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟ یہ کوئی اعتراض کی بات ہے؟ کہ جی اپنے رشتے داروں کو بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں دے دیا کرتے تھے، اب یہ حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اعتراض بنتا ہے؟ کتنا فضول قسم کا اعتراض ہے؟

بڑی رقم ہدیہ دینے کا پس منظر:

اب ذرا قصہ بھی سن لیجیے کہ بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں دینے کا واقعہ کیا ہے؟ افریقہ کا ایک ملک تھا جو مسلمانوں نے فتح کیا، لیکن جب وہاں سے آگے قدم بڑھایا تو پیچھے ایک بندہ تھا جس نے ملک میں پھر انتشار پھیلا دیا اور وہاں کے مسلمان پھر باغی ہو گئے۔ لشکر کو پھر لوٹ کے آنا پڑا اور پھر ان سے جنگ کرنی پڑی، دو تین مرتبہ ایسا ہوا، مسلمان اس کو فتح کرتے اور پھر کسی کو نائب بنا کے آگے چلے جاتے، جب آگے جاتے تو پیچھے پھر خلفشار ہو جاتا اور پھر خانہ جنگی ہو جاتی اور لشکر کو پھر لوٹنا پڑتا۔

شورش کے خاتمے کا حل:

بار بار جب یہ ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مجھے اس مسئلے کا کوئی حل کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے ایک رشتے دار تھے جو بڑے سمجھ دار تھے، اور معاشرے کی بڑی معزز شخصیت تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا اور پہلے سپہ سالار کو کہا کہ آپ فوج کی کمان ان کے حوالے کر دیں اور ان کو سمجھایا کہ فتنے کو اچھی طرح Deal کرو اور جو اس کی بنیاد ہے اس کو توڑ و، تا کہ یہ فتنہ بار بار سر نہ اٹھائے۔

وہ وہاں گئے اور معلومات کیں تو پتہ چلا کہ ایک ہی بندہ ہے جو یہ سارا فساد مچانے والا ہے، اگر اس بندے کو قتل کر دیا جائے تو اس کے قتل ہونے کے بعد باقی ساری عوام اسلام پر رہے گی اور یہ شورش ختم ہو جائے گی، چنانچہ انہوں نے ذہن بنا لیا کہ ہم نے اس بندے کو نہیں چھوڑنا تا کہ فساد باقی نہ رہے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو وہ جو فسادی بندہ تھا اس کو بھی اطلاع مل گئی تھی، جاسوسوں نے اطلاع دے

دی کہ جناب! آپ کے اوپر ان کی نظر ہے، آپ کے لیے مشکل وقت آ گیا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا، اس نے فوج میں اعلان کروا دیا کہ جو بندہ دشمن کے امیر کا سر میرے پاس لائے گا میں اس کو ایک لاکھ دینار انعام میں دوں گا، چنانچہ اس کی فوج کا ایک ایک بندہ اس تلاش میں تھا کہ جنگ ہو اور ہم امیر لشکر کو ماریں اور اس کا سر لے کر جائیں اور ایک لاکھ دینار انعام وصول کریں۔

امیر لشکر کو قتل کرنے کا انعام:

چلتے چلتے یہ اطلاع مسلمانوں میں بھی آ گئی، اب جو مسلمانوں کے امیر لشکر تھے انہوں نے کسی طرح تو اس کا حل نکالنا تھا، انہوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنی فوج میں بھی اعلان کروا دیا کہ جو بندہ دشمن کے امیر کا سر میرے پاس لائے گا میں بھی اس کو ایک لاکھ دینار انعام دوں گا، یعنی ان کے اعلان کے جواب میں امیر لشکر نے بھی اعلان کروا دیا۔ مسلمانوں کے اندر بھی ایک جوش پیدا ہو گیا کہ ہم امیر لشکر کو قتل کریں گے اور اتنے بڑے انعام کے حق دار بنیں گے۔

شورش کا خاتمہ:

اگلے دن جب جنگ ہوئی تو اللہ کی شان دیکھیں کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ایک ایسے صحابی تھے جنہوں نے ان کے امیر کو قتل کیا اور وہ جو شورش تھی وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

انعام کا مطالبہ:

وہ صحابی اس کا سر لے کر آئے اور امیر لشکر کو کہا کہ جی! آپ نے ایک لاکھ دینار انعام دینے کا اعلان کروایا تھا، اب میں انعام کا مستحق ہوں مجھے انعام دیجیے۔ امیر

لشکر نے کہا کہ اچھا! مال غنیمت جمع کرتے ہیں، اس میں سے میں آپ کو ایک لاکھ دینار انعام دے دیتا ہوں۔

اختلافی مسئلے کا پیدا ہونا:

جب انہوں نے یہ کہا تو باقی حضرات نے اعتراض کیا کہ جناب! مال غنیمت پر تو ہر مسلمان مجاہد کا حق ہوتا ہے، آپ ایک بندے کو اتنی بڑی رقم اپنی مرضی سے نہیں دے سکتے، چنانچہ یہ ایک فقہی مسئلہ درمیان میں آ گیا، وہ کہتے تھے کہ چونکہ اس نے میرے لیے اعلان کروایا تھا، اس لیے میں نے بھی اعلان کروایا تھا اور میرے اعلان کی برکت سے وہ بندہ قتل ہو گیا اور شورش ختم ہو گئی، اللہ نے اسلام کو فتح عطا فرمائی، اب میں اپنی طرف سے تو نہیں دے سکتا، میں تو مال غنیمت سے ہی دے سکتا ہوں۔ دوسرے صحابہ کہتے تھے کہ آپ نے اعلان کروایا تھا یہ آپ کا عمل ہے، مگر آپ بیت المال میں سے نہیں دے سکتے، بیت المال میں سب کا حق ہے، ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

مسئلے کا بہترین حل:

اب یہ مسئلہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا کہ حضرت! اس طرح امیر لشکر نے اعلان کروایا تھا اور اس طرح ایک لاکھ دینار انعام دینے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ میں مال غنیمت میں سے دیتا ہوں اور دوسرے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نہیں دے سکتے، اس میں ہر بندے کا حق ہے، ہر بندہ جب تک اجازت نہیں دے گا آپ نہیں دے سکتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب مسئلہ پیش ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا بہترین حل نکالا، وہ بہترین حل کیا تھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، ہم وہ انعام بیت المال کے مال سے نہیں دے سکتے، لیکن After All (آخرکار) جو بندہ مطالبہ کر

رہا ہے کہ چونکہ اعلان کیا گیا تھا، اس لیے مجھے انعام ملنا چاہیے، اس کا مطالبہ بھی ٹھیک ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مال میں سے ایک لاکھ دینار اس رشتے دار امیر لشکر کو ہدیہ دے دیا اور انہوں نے اس بندے کو Pay (ادا) کر دیا۔

یوں اتنی خوبصورتی سے مسئلہ حل کر دیا گیا۔ بجائے اس کے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہرت کی جاتی اور ان کی تعریفیں کی جاتیں، تاریخ والوں نے کتاب میں لکھ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتے داروں کو بڑی بڑی رقمیں ہدیہ دے دیا کرتے تھے۔

تم مامے لگتے ہو؟

اب آپ بتائیے کہ اس اعتراض کا کیا کوئی حق بنتا ہے؟ ان اعتراض کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ بھئی! تم مامے لگتے ہو؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اپنا مال تھا، انہوں نے جس کو چاہا ہدیہ دیا اور انہوں نے مسئلے کو اچھے طریقے سے حل کیا، بجائے اعتراض کے ان کی تو تعریف کرنی چاہیے کہ وہ کتنے اچھے خلیفہ تھے، جنہوں نے اپنے ذاتی مال کی قربانی دے کر اس مسئلے کو حل کر دیا۔ جو دشمن لوگ ہوتے ہیں وہ بجائے تعریف کرنے کے الٹا اعتراضات کے نکتے نکال رہے ہوتے ہیں اور تاریخ کی کتابوں میں لکھ دیا گیا کہ جی! وہ اپنے رشتے داروں پہ بڑی بڑی رقمیں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ خلافت وملوکیت کتاب میں بھی یہ دو اعتراض لکھے گئے: ایک یہ کہ وہ اپنے رشتے داروں کو بڑے بڑے عہدے پیش کرتے تھے اور دوسرا کہ وہ اپنے رشتے داروں کو بڑی بڑی رقمیں ہدیہ کر دیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے اور ہم قیامت کے دن ان کے وکیل بن کر کھڑے ہوں اور ان کی صفائی پیش کرنے والے بنیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت:

شاعر نے کیا خوب کہا:

آپ کے اوصاف لوگوں کو سنا دیتا ہوں میں
چار جانب ایک خوشبو سی اڑا دیتا ہوں میں
میں فقیر بے نوا ہوں میری دولت شاعری
آپ پر اپنی یہی دولت لٹا دیتا ہوں میں
آپ کا روشن حوالہ پڑھ کے بہر احترام
اپنے اس بے نور سینے سے لگا لیتا ہوں میں
آپ کی تعریف میں جب شعر کہتا ہے کوئی
صبح کے چہرے سے پھر پردہ اٹھا دیتا ہوں میں
ہر طرف ایک چاندنی محسوس ہوتی ہے مجھے
آپ کی یادوں کا جب منظر سجا دیتا ہوں میں
آپ کا جب نام لیتا ہوں زباں پر بار بار
خود کو یوں خوشبو کی لہروں میں بہا دیتا ہوں میں

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے امتیازات:

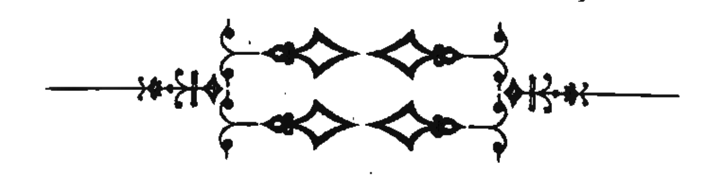
اللہ تعالیٰ ہمیں اس ہستی کی سچی محبت عطا فرمائے، جو اتنے باحیا تھے کہ ان سے اللہ کے فرشتے بھی حیا کیا کرتے تھے، جنہوں نے بشریت کو پاکدامنی کے اس نکتے تک پہنچایا کہ جہاں اللہ کے فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔ جنہوں نے دو ہجرتیں کیں، جن کے ہاتھ کو نبی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ فرمایا اور جن کو ''ذی النورین'' بننے کا شرف

حاصل ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ تاریخ میں کوئی ایسا بندہ نہیں گزرا جس کو کسی نبی کی دوہری دامادی کا شرف حاصل ہوا ہو، نبی کی ایک بیٹی تو نکاح میں آئی، جیسے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئی، لیکن کسی نبی کی دو بیٹیاں ایک ہی بندے کے نکاح میں آئی ہوں، یہ سعادت صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ نے عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ان کی محبت کو اور زیادہ بڑھائے اور ہمیں قیامت کے دن ان کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



4

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلحَةُ فِي الجَنَّةِ وَ الزُّبَيرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيدَةَ بنُ الجَرَّاحِ فِي الجَنَّةِ. (سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۴۷)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

خلفاء راشدین میں چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے چچا ابو طالب کے بیٹے تھے، چھوٹی عمر میں یعنی آٹھ سال کی عمر میں ان کو

نبی علیہ السلام نے اپنی کفالت میں لے لیا تھا، گویا نبی علیہ السلام نے ان کو بیٹے کی طرح پالا تھا، اس وجہ سے ان کو نبی علیہ السلام کی صحبت بہت زیادہ نصیب ہوئی۔

قبول اسلام کا واقعہ:

ابتدائی اسلام لانے والی شخصیات میں سے ہیں، فرماتے تھے کہ نبی علیہ السلام پر غارِ حرا میں سوموار کے دن قرآن مجید نازل ہوا اور منگل کے دن میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کی ترتیب یہ بنی کہ نبی علیہ السلام جب گھر تشریف لائے تو آپ نے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر اسلام کو پیش کیا، انہوں نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر نماز کا وقت ہوا تو نبی علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ گھر کے بچے تھے، یہ گھر آئے تو دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ جب نماز ختم ہوئی تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے پھر ان کے اوپر اسلام کو پیش کیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے نماز کا حکم ہوا ہے اور میں تمہارے سامنے کلمے کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنے ابو سے بات کروں گا، نبی علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ یہ اپنے والد سے پوچھیں، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ ان کو منع کر دیں اور یہ ایمان سے محروم ہو جائیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو! تم خود غور کرلو مگر اپنے ابو سے بات نہ کرنا۔

(اسد الغابہ، ج ا ص ۷۹۰)

بچوں میں سب سے پہلے مسلمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ساری رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت، محبت اور صداقت وامانت کے بارے میں سوچتا رہا، دل میں محبت بڑھتی گئی اور آخر رات کو میں نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ جو آپ نے فرمایا ہے مجھے اس کو قبول کرنا ہے، لہٰذا اگلے دن میں نے اسلام کو قبول کرلیا۔ (اسد الغابہ، ج ا ص ۷۹۰)

چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور مردوں میں سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

نبی علیہ السلام کے بستر پر سونے کا اعزاز:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی میں بہت اعزازات عطا فرمائے، ان کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک اعزاز یہ بھی تھا کہ جب نبی علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ تم میرے بستر پر میری چادر لے کر لیٹ جاؤ، سو جاؤ، اور فلاں فلاں بندے کی امانتیں میرے پاس ہیں، کل یہ امانتیں ان لوگوں کے حوالے کر کے پھر تم ہجرت کر کے مدینہ آجانا۔ نبی علیہ السلام نے خود ان کو اپنے بستر پہ سلایا اور اپنی چادر ان کے اوپر ڈالی اور ان کو اپنے پیچھے گھر میں اس طرح چھوڑ کر گئے، یہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سعادت تھی۔

(اسد الغابہ، ج ا، ص ۷۹۲)

صلح حدیبیہ کی عبارت لکھنے کی سعادت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ بیعت رضوان کے وقت جو صلح نامہ لکھا گیا تھا، جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں اس صلح نامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی، یہ سعادت بھی ان کو نصیب ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا صلح نامہ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ (سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۷۰۷)

خود نوشت احادیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی نوٹس بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے

زمانے میں کچھ احادیث کو لکھ لیا تھا جو صحیفہ علی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بعض لوگوں کو ڈائری لکھنے کی عادت ہوتی ہے، اپنی یادداشت لکھنے کی عادت ہوتی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیفہ علی حدیث کی وہ دستاویز ہے جس کو نبی علیہ السلام کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ اس کے اندر تقریباً سات سو چھیاسی احادیث تھیں اور ساری کی ساری صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں۔

خودنوشت قرآن مجید:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی یادداشت کے لیے قرآن مجید کو بھی لکھ لیا تھا، یعنی ایک قرآن مجید تو وہ تھا جو نبی علیہ السلام نے پارچات کے اوپر لکھوایا، جب کوئی آیت اترتی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی یادداشت کے لیے بھی اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن جمع کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ذاتی قرآن پاک لکھ کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ اے اللہ کے حبیب! میں نے اپنی یادداشت کے لیے اس کو لکھ لیا ہے، آپ اس پر ذرا نظر فرما دیجیے۔ جب نبی علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو خوشی کا اظہار فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم:

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کی وسعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مَا كَانَ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَقُوْلُ: سَلُوْنِى، غَيرَ عَلِيِّ بنِ اَبِى طَالِبِ.''

(اسد الغابہ، ج ۱، ص ۷۹۴)

''لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں تھا کہ جو یہ کہہ سکے کہ مجھ سے (جو چاہو) سوال کرو، سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، (کہ ان کا علم اتنا تھا کہ وہ اس طرح کہتے تھے)۔''

ان کو اس چیز کا علم تھا کہ کونسی آیت کہاں نازل ہوئی، کس وقت کے اندر نازل ہوئی اور کس مقصد کے لیے نازل ہوئی۔

یعنی جو آیات کا شانِ نزول ہے، ان کو اتنا معلوم تھا کہ جس آیت کا پوچھو گے وہ اس آیت کا شانِ نزول بتا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید کا بحرِ بے کراں بنا دیا تھا۔

یمن کی گورنری:

نبی علیہ السلام نے ان کو یمن کا گورنر اور وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میری عمر بہت چھوٹی ہے، ابھی تو بالکل ابتدائی جوانی کی عمر ہے، اس جوانی کی عمر میں میں قاضی بن کر جا رہا ہوں، میں وہاں جا کر کیسے فیصلے کروں گا۔

قوتِ فیصلہ کے لیے نبی علیہ السلام کی دعا:

فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو نبی علیہ السلام نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے کے اوپر رکھا اور مجھے دعا دی:

(اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهٗ وَثَبِّتْ لِسَانَهٗ.)

''اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے دیجیے اور اس کی زبان کو ثبات عطا فرما دیجیے۔''

فرماتے ہیں کہ اس دعا دینے کے بعد مجھے جب بھی دو چیزوں کے درمیان تردُّد ہوا، جب بھی دو چیزیں سامنے آتی تھیں، میں بہت جلد ان میں سے ایک کا فیصلہ کر لیا کرتا تھا۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۳۱۰)

اور قاضی کا سب سے بڑا منصب یہی ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے صحیح بات کو چن لینا، اخذ کر لینا۔

سب سے اعلیٰ قاضی:

چنانچہ نبی علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجھہ بہترین قاضی بن گئے، حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(أَرْحَمُ أُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهَا فِي دِينِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهَا حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَعْلَمُهَا بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَقْرَؤُهَا لِكِتَابِ اللهِ أُبَيٌّ، وَأَعْلَمُهَا بِالْفَرَائِضِ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ.) (مسند احمد، حدیث:12904)

''میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے، اور اللہ کے دین کے معاملے میں زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہے، اور سب سے زیادہ حیاء والا عثمان رضی اللہ عنہ ہے، اور حلال وحرام کو زیادہ جاننے والا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے، اور اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ جاننے والا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہے اور وراثت کو سب سے زیادہ جاننے والا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے۔''

اور ایک روایت میں یوں فرمایا:

(وَأَقْضَى أُمَّتِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.) (المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث:556)

اور میری امت میں سب سے اعلیٰ قاضی علی ہیں۔''

یعنی قضا کے معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے آگے بڑھ گئے، گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بہتر قاضی بن گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عمر رضی اللہ عنہ کا رشک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین ایسی سعادتیں دی ہیں کہ جن کے اوپر میں حیران ہوتا ہوں، یہ سعادتیں مجھے حاصل ہونا زیادہ

پسند ہے بنسبت اس کے کہ مجھے سرخ اونٹ دے دیے جائیں۔

① حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی سعادت:

ان میں سے پہلی سعادت یہ ہے کہ:

''تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ بِنتَ رَسُولِ اللّٰہِ''

''انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ سے نکاح کیا۔''

② مسجد سے جنبی گزر جانے کی رعایت:

دوسری سعادت یہ ہے کہ:

''وَ سُکْنَاہُ الْمَسْجِدُ مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ، یَحِلُّ لَہٗ فِیہِ مَا یَحِلُّ لَہٗ.''

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں سکونت، جو کچھ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال تھا وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال تھا۔''

③ خیبر میں جھنڈا ملنے کی سعادت:

تیسری سعادت یہ ہے کہ

''وَالرَّأْیَةُ یَومَ خَیبَرَ''

یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن جھنڈا ان کو عطا کیا تھا۔

(جامع الاحادیث للسیوطی، رقم: ۳۰۴۶۷)

خیبر میں جھنڈا ملنے کی وجہ:

ہوا یہ کہ نبی علیہ السلام کو خیبر فتح کرنے میں کچھ وقت لگا۔ یہ خیبر یہودیوں کی بستی تھی اور یہود بڑے مال دار تھے۔ جو مال دار بندے ہوتے ہیں وہ اپنی تجوریاں چھپانے کے لیے بڑے انتظامات کرتے ہیں، لہٰذا انہوں نے ایک قلعہ نہیں بنایا تھا، بلکہ ایک شہر کے

اندر بڑے بڑے مال داروں نے اپنے اپنے قلعے بنائے ہوئے تھے۔ آپ یوں سمجھیں کہ ایک گھر ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بارہ بڑے بڑے قلعے ایسے تھے جوان کے ذاتی تھے، لہٰذا خیبر کو فتح کرنے کے لیے بارہ قلعوں کو فتح کرنا پڑا، اس لیے وقت بھی لگا اور یہاں پر بہت محنت بھی کرنی پڑی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی جانفشانی سے یہاں جہاد کیا اور قلعوں کو فتح کرتے رہے۔

ایک مشکل قلعہ:

ایک قلعہ ایسا تھا جس کا فتح کرنا بہت مشکل بن گیا تھا، کیونکہ بنانے والے نے اس کو ایسا بنایا تھا کہ اس کے اندر داخل ہونا ہی مشکل تھا، وہ لوگ اپنی پوزیشنوں پہ بیٹھ کر دور سے تیر پھینکتے تھے اور مسلمانوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتے تھے۔

کل جھنڈا فاتح کے ہاتھ میں:

ایک رات نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ)

(صحیح بخاری، حدیث:۲۹۷۵)

''میں کل یہ جھنڈا اس بندے کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پہ اللہ فتح عطا فرمائے گا۔''

جب نبی علیہ السلام نے یہ الفاظ ادا فرمائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر بندے کے دل میں تمنا تھی کہ کاش! یہ جھنڈا ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے، ساری رات ہم یہی سوچتے رہے کہ دیکھتے ہیں یہ کس خوش قسمت کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بلاوا:

اگلے دن نبی علیہ السلام نے فجر کی نماز ادا فرمائی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اَینَ عَلِیٌّ)

''علی کہاں ہیں؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دُکھتی تھیں اور اتنی زیادہ درد تھا کہ ان کے لیے چلنا اور راستہ دیکھنا مشکل ہو گیا تھا، تو اس بیماری کے عذر کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فجر کی جماعت میں نہیں آئے تھے۔ نبی علیہ السلام نے ان کو بلوایا اور پوچھا: علی! تم نماز میں حاضر نہیں ہوئے؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میں بیمار تھا، میری آنکھیں دُکھتی تھیں، اس قدر درد تھا کہ مجھے راستہ ہی نظر نہیں آ رہا تھا، چلا ہی نہیں جا رہا تھا۔

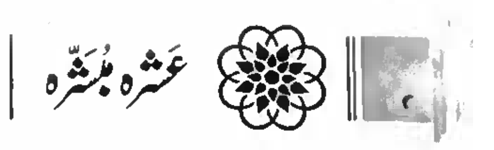
جھنڈے کی حوالگی:

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا! یہ جھنڈا تم پکڑو اور جا کر تم اس آخری قلعہ کو فتح کرو۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میں جھنڈا پکڑنے کے لیے تو تیار ہوں، لیکن مجھے تو نظر ہی نہیں آتا۔

نبی علیہ السلام کے لعاب کا کمال:

جب انہوں نے کہا کہ مجھے نظر ہی نہیں آتا تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لعاب کو اپنی مبارک انگلی کے ساتھ لگایا اور اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے اوپر لگا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کا درد اسی وقت ختم ہو گیا اور میری آنکھیں ایسی ٹھیک ہوئیں کہ اس کے بعد زندگی بھر خراب نہیں ہوئیں۔

(صحیح بخاری، حدیث: ۲۹۴۲)



وہ لعاب جو کھارے پانی کے اندر شامل ہوا اس نے کھارے پانی کو میٹھا کر دیا، وہ لعاب جو سید نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اس کی برکت ہی عجیب تھی، ایک لمحے میں آنکھوں کی بینائی کو ٹھیک کر دیا اور ان کی آنکھیں شفایاب ہو گئیں۔

قلعے پر حملہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں پکڑا اور باقی صحابہ کے ساتھ مل کر اس قلعے کے اوپر حملہ کر دیا، اب اس قلعے کا دروازہ بہت بھاری تھا اور اتنا مضبوط تھا کہ اکھڑتا نہیں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اکھاڑنے کی کوشش کی اور اللہ کی شان کہ ان کے اندر اتنا جذبہ تھا کہ انہوں نے اس دروازے کو اکھاڑ دیا۔ وہاں پر ایک آدمی تھا جس کا نام مرحب تھا، وہ مقابلے میں تھا اور وہ بھی بڑا بہادر تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دروازے کو اکھاڑا اور ایک ہاتھ میں اس کو ڈھال کی مانند پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور مقابلہ کرنے لگ گئے، یہاں تک کہ مرحب کو قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۶۹۳۵)

خیبر کے دروازے کا وزن:

ایک صحابی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دروازے کو دور پھینک دیا، میں دوسرے دن سات بندوں کو ساتھ لے کر گیا تا کہ ہم جا کر دیکھیں کہ دروازے کا وزن کتنا ہے؟ ہم آٹھ بندوں نے مل کر دروازہ اٹھانے کی کوشش کی، ہم آٹھ بندے بھی اس دروازے کو نہ اٹھا سکے۔ جس دروازے کو آٹھ بندے مل کر نہیں اٹھا سکے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بائیں ہاتھ سے اکھاڑ کر ایک طرف پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت عطا فرمائی تھی۔ یہ صرف جسمانی قوت کی بات نہیں تھی، یہ ایک روحانی قوت تھی جو اس

وقت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اندر ابھر آئی تھی، چنانچہ وہ فاتح خیبر کہلائے۔

(سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۳۵، مسند احمد، رقم: ۲۳۸۵۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی کنیت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو کنیتیں تھیں، آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے، ان کی نسبت کی وجہ سے آپ کی ایک کنیت ابوالحسن تھی۔

دوسری کنیت:

ان کی دوسری کنیت ابوتراب تھی، تراب کہتے ہیں مٹی کو، اور ابوتراب کا مطلب ہے مٹی کے باپ۔

ابوتراب کنیت کی وجہ:

ہوا یہ کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملنے کے لیے تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر پہ نہیں تھے۔ پوچھا: فاطمہ! علی کہاں ہیں؟ اے اللہ کے حبیب! ہماری کسی بات پر آپس میں تھوڑی سی رنجش ہوگئی تھی، تلخ کلامی سی ہوگئی تھی، وہ خاموشی سے چلے گئے، غصے میں گھر سے چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب گھر سے نکلے تو تھکے ہوئے تھے، ایک دیوار کے سائے میں جا کر زمین کے اوپر ہی لیٹ گئے اور ان کو نیند آ گئی۔ نبی علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لیے گھر سے نکلے تو ایک جگہ دیکھا کہ زمین کے اوپر ہی لیٹے ہوئے ہیں، ان کے جسم پہ مٹی بھی لگی ہوئی ہے اور ان کے سر پہ بھی مٹی لگی ہوئی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابوتراب! اٹھو۔ یعنی ابوتراب کا لفظ نبی علیہ السلام نے استعمال فرمایا، اے مٹی کے باپ! اٹھو۔ لہٰذا انہوں نے اس کو اپنی کنیت ہی بنا لیا، ان کو ابوتراب کی

کنیت زیادہ پسند تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے ان کو پکارا تھا۔
(صحیح ابن حبان، رقم: ۶۹۲۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے تھے: حسن، حسین اور محسن۔ مگر محسن چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے ان کے دو بیٹے گنے جاتے ہیں، ورنہ حقیقت میں فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے تھے: حسن، حسین اور محسن۔ محسن چونکہ چھوٹے تھے اور فوت ہو گئے تھے، اس لیے ان کا کتابوں میں تذکرہ زیادہ نہیں آتا۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک زینب اور دوسری ام کلثوم۔ زینب بھی چھوٹی عمر میں فوت ہو گئی تھیں اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا جب بڑی ہوئیں تو ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری:

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا داماد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، ایک طرف وہ نبی علیہ السلام کے سسر بھی تھے اور دوسری طرف وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے۔ یہ رشتے داریاں لوگ بیان نہیں کرتے کہ یہ لوگ آپس میں کتنے قریب تھے، چنانچہ اہل بیت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دہرا تعلق تھا۔

نبی علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ خوبی تھی کہ وہ نبی علیہ السلام سے اس وقت میں بھی بات کر لیا کرتے تھے جب کبھی نبی علیہ السلام غصے میں ہوتے تھے، جلال میں ہوتے تھے، اس وقت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بھی بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چونکہ بہت گہرا تعلق تھا، داماد بھی تھے، بیٹے کی طرح بھی تھے، رشتے دار بھی تھے، کزن بھی تھے، گھر کے بچے

تھے، لہٰذا وہ جرات کر کے اس وقت بھی بات کر لیا کرتے تھے۔

نبی علیہ السلام کے ساتھ بے تکلفی:

کئی مرتبہ نبی علیہ السلام کے ساتھ مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام بھی جب کبھی خوش طبعی کے موڈ میں ہوتے تو مذاق فرما لیا کرتے تھے، یہ نبی علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے، ورنہ آپ کا رعب ایسا تھا کہ آپ کے ساتھ بات کرنا لوگوں کے لیے مشکل ہوتا تھا، چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سامنے رعب کو کم کرنے کے لیے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرما لیا کرتے تھے۔

نبی علیہ السلام کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خوش طبعی:

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خادم تھے تو نبی علیہ السلام نے ان کو ایک دفعہ فرمایا:

(يَا ذَا الْأُذُنَينِ!) (سنن ابی داود، حدیث: ۵۰۰۴)

''او دو کانوں والے!''

اب دیکھیں! ہر بندہ دو کانوں والا ہے، مگر جب ان کو دو کانوں والا کہا تو ان کو یہ لفظ بڑا اچھا لگا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دو کانوں والا کہا ہے۔ بات سچ بھی ہوتی تھی، مگر بات کے اندر مزاح بھی ہوتا تھا، یہ نبی علیہ السلام کی خصوصیت تھی۔

ایک بڑھیا سے نبی علیہ السلام کی خوش طبعی:

چنانچہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میرے لیے دعا فرما دیں کہ میں جنت میں چلی جاؤں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے فلاں شخص کی والدہ! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ جب نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تو وہ عورت بڑی غمزدہ ہوئی اور رونے لگ گئی، روتے روتے واپس

جانے لگی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: اسے خبر دے دو کہ کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی (بلکہ نوجوان دوشیزہ بن کر جائے گی)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝﴾

(الواقعہ: ۳۵۔۳۶۔۳۷)

''یقین جانو! ہم نے ان عورتوں کو نئی اٹھان دی ہے۔ چنانچہ انہیں کنواریاں بنایا ہے۔ (شوہروں کے لیے) محبت سے بھری ہوئی، عمر میں برابر۔''

(شمائل ترمذی، حدیث: ۲۳۹)

ایک اور صحابی کے ساتھ مزاح:

ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبی علیہ السلام سے اونٹ مانگا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں اونٹ کا بچہ دے سکتا ہوں۔ وہ بڑا پریشان کہ مجھے سامان اٹھانا ہے، مجھے تو بھرپور جوان اونٹ چاہیے اور نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اونٹ کا بچہ دے سکتا ہوں۔ وہ کافی دیر منتیں کرتے رہے، اے اللہ کے حبیب! مجھے بڑا اونٹ چاہیے، بھرپور اونٹ چاہیے۔ نبی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ کافی دیر ہوگئی تو فرمایا: بھئی! میں تمہیں جو بھی بڑا اونٹ دوں گا وہ بھی تو کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوگا ناں۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۱۹۹۱)

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح بھی اتنا پیارا ہوتا تھا کہ سچ بھی ہوتا تھا اور دوسرا بندہ اس کو Enjoy (لطف اٹھانا) بھی کرتا تھا۔

جنت کی خوش خبری:

حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ارشاد

فرمایا کہ یہ جنتی ہیں۔(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۳)

امت کے بے مثال مجاہد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ امت کے بے مثال خطیب اور بے مثال مجاہد تھے۔کسی نے کہا:

''اِنَّهٗ اَحَدٌ مِن اَعْلَیٰ الْمُجَاهِدِینَ'' ''آپ ایک اعلیٰ درجے کے مجاہد تھے۔''

چنانچہ غزوات میں سب سے آگے رہا کرتے تھے، غزوہ بدر میں آگے، اُحد میں آگے، بیعت عقبہ میں آگے اور بیعت رضوان میں آگے، تمام مواقع پہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے رہا کرتے تھے۔

وقت کے گاما پہلوان سے مقابلہ:

جنگ خندق میں قریش کا ایک بہادر شخص تھا، جس کا نام عمرو بن عبدوُدّ تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ ایک ہزار بندوں کے برابر طاقت رکھتا ہے، یعنی آپ سمجھیں کہ وہ اپنے وقت کا گاما پہلوان تھا، اتنا مشہور تھا، اس کے سامنے لوگ آتے ہوئے گھبراتے تھے کہ اس بندے کے پاس تو ایک ہزار بندوں کی طاقت ہے، اس کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ وہ خندق کو پار تو نہ کرسکا، لیکن خندق کے اندر اتر گیا اور اس نے مسلمانوں کو للکارنا شروع کردیا: ہے کوئی تم میں سے جو میرے مقابلے میں آئے؟ میں تو اتنا بہادر ہوں، اتنا نڈر ہوں۔اس نے بڑے اشعار پڑھنے شروع کردیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! مجھے اجازت ہو تو میں اس کے ساتھ مقابلہ کروں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ چونکہ نبی علیہ السلام کو پتہ تھا، نوجوان ہے اور گرم خون ہے، یہ تو چل پڑے گا اور اتنے بہادر بندے کے ساتھ مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔تھوڑی دیر کے بعد اس نے اور

اشعار پڑھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر اجازت مانگی۔ دوسری مرتبہ نبی علیہ السلام نے ذرا سختی کے ساتھ کہہ دیا کہ نہیں! تم یہیں بیٹھے رہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اب تیسری مرتبہ اس نے مسلمانوں پہ طعن کرنا شروع کر دیا، جیسے بندہ کہتا ہے کہ تم میں سے ہے کوئی مرد جو میرے مقابلے میں آئے؟ تم تو کمزور ہو، تمہارے اندر تو طاقت نہیں، ہمت نہیں، تم کچھ نہیں کر سکتے، اس نے اس قسم کی طعن آمیز باتیں کرنی شروع کر دیں۔

جب اس نے اسلام پر اور مسلمانوں پر طعن کرنا شروع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی رک نہ سکی اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی لجاجت سے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! اب مجھے اجازت دے دیجیے، اب مجھے اپنے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اب پھر نبی علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بندے کے سامنے آئے اور اس کو آ کر کہا کہ ہاں! میں تمہارے مقابلے میں آ گیا ہوں، بات کرو۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ علی رضی اللہ عنہ تو بہت بہادر ہیں، اب وہ ذرا گھبرایا کہ میرے مقابلے میں ایسا بندہ آ گیا ہے۔ کہنے لگا: اصل میں تم قریش کے بچے ہو، تمہارا کوئی بڑا نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے؟ میں بچوں کے ساتھ کیا مقابلہ کروں گا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بچہ ہی سہی، لیکن جب میں مقابلے کے لیے اتر آیا ہوں تو اب تم مجھ سے بھاگنے کی کوشش مت کرو، میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ جب یہ کہا تو عمرو بن عبدود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوپر تلوار کا وار کیا، وہ تلوار کا وار اتنا زور کا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود پہنا ہوا تھا، اس خود کے اندر وہ تلوار لگی اور اٹک گئی، یعنی تلوار ٹوٹ کے اٹک گئی۔ اس بندے کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قد چھوٹا تھا، وہ بڑا اُونچا لمبا شحیم آدمی تھا۔

چنانچہ جب اس کا ہاتھ تھوڑی دیر کے لیے رکا تو آپ اس کے سر پہ تو وار نہ کر سکے، مگر آپ نے اس کے کندھے کے اوپر اتنے زور کا وار کیا کہ آپ کی تلوار اس کے سینے تک اتر گئی، وہ بندہ وہیں پہ گرا اور جیسے جانور تڑپتے ہوئے مر جاتا ہے، وہ اس طرح تڑپتے ہوئے مر گیا۔ (المستدرک للحاکم، ج ۳، ص ۳۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کے ایک اتنے بڑے دشمن کو قتل کرنے کی بھی سعادت عطا فرمائی۔

غزوۂ تبوک میں ذمہ داری:

غزوۂ تبوک میں نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے مدینے کا ذمہ دار متعین فرمایا، امیر متعین فرمایا۔ ارشاد فرمایا: علی! تم مدینہ میں ٹھہرو اور یہاں کی نگرانی کرو، میں غزوے کے لیے تبوک جا رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل چاہتا تھا کہ میں ساتھ جاؤں، چنانچہ جس دن نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تو دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ابھی تو صرف ایک دن گزرا ہے اور ابھی آپ یہیں موجود ہیں، پھر بھی میرا دل آپ کے لیے اداس ہو رہا ہے، جب میں پیچھے رہوں گا اور آپ چلے جائیں گے تب میرا کیا حال ہو گا؟

(تَخَلُّفُنِي مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبيَانِ؟)

”آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟“

یعنی اے اللہ کے حبیب! آپ تو جا کر جہاد کریں گے اور مجھے آپ نے یہاں بچوں اور عورتوں کے اندر چھوڑ دیا، میں کیسے وقت گزاروں گا؟

(سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہارون علیہ السلام کی مانند:

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اَمَا تَرضٰی اَن تَکُونَ مِنِّی بِمَنزِلَۃِ ھَارُونَ مِن مُوسیٰ غَیرَ اَنَّہٗ لَا نُبُوَّۃَ بَعدِیْ.)

''(علی!) کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم میرے لیے اس طرح ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے، مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

(سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۲۴)

حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، لیکن ہارون علیہ السلام کا جو تعلق موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا وہی تعلق تمہارا میرے ساتھ ہے۔ اب یہ جو الفاظ ہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے، ان الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ کیا قرب عطا کیا تھا!! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں تو کوہِ طور پہ جا رہا ہوں:

﴿اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۲)

''تم میرے پیچھے میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا۔''

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے نائب بنایا تھا، اسی طرح نبی علیہ السلام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے مدینہ میں نائب متعین فرما دیا، یہ ان کی زندگی کی کتنی بڑی سعادت ہے!؟

وفد نجران کی آمد:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں نجران کا وفد آیا، اس میں ساٹھ آدمی تھے، نجران

کے جو بڑے امیر آدمی تھے، معزز آدمی تھے، بہت زیادہ بااثر آدمی تھے وہ سب اس میں شامل تھے، اتنے معزز آدمیوں کا وفد تھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا وفد کبھی نہیں دیکھا، یہ عبدالمسیح کے ساتھ آئے تھے۔

عبدالمسیح کا نبی کے ساتھ مناظرہ:

عبدالمسیح ایک عیسائی بندہ تھا جوان کو لے کر آیا تھا، اس نے آکر نبی علیہ السلام کے ساتھ مناظرہ کیا، مناظرے میں اس نے کہا: دیکھیں! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جب اس نے یہ بات کی تو نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اچھا! عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو وہ اللہ کے بیٹے اور آدم علیہ السلام تو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے پھر وہ کس کے بیٹے ہوئے؟ یہ ایسی بات تھی کہ:

﴿فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ﴾ (البقرۃ:۲۵۸)

''اس پر وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔''

اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور کوئی جواب نہیں دے سکا۔ کہنے لگا: اچھا! ہم جاتے ہیں اور دوبارہ پھر کبھی آئیں گے۔

وفد نجران کو دعوت مباہلہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی فرمادی کہ میرے محبوب! ان کو یہاں سے ایسے نہ جانے دیں، بلکہ ان کو مباہلے کی دعوت دیں، تاکہ حق اور باطل واضح ہو جائے، چنانچہ قرآن مجید کی آیات اتریں:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ (آل عمران:٦١)

''(اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں، اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔''

(تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے اہل بیت:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود نبی علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر نکلے، اب ان گھر والوں میں کون تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کر کے فرمایا:

(اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلِي)

''اے اللہ! یہ سب میرے اہل ہیں۔''

پھر آپ ان کافروں کے پاس آئے اور فرمایا کہ دیکھو! میں اپنے گھر والوں کو لے کے آ گیا ہوں، اب تم بھی میرے سامنے آؤ اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ مباہلہ کرتے ہیں، مگر کفر کے اندر تو طاقت نہیں ہوتی، اس نے پھر بہانہ بنایا کہ نہیں! ہم پھر کبھی مباہلہ کریں گے اور بہانہ بنا کر وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔

(جامع الاصول، حدیث:۶۷۰۱)

تو مجھ سے اور میں تجھ سے:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: علی!

(اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْكَ)(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۴۴۹۰۲)

''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔''

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ میرا اور تیرا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ we are same blood۔ جیسے آج کے دور میں کہتے ہیں :we are same blood ہم ایک خون ہیں، گویا نبی علیہ السلام یہی فرمانا چاہتے تھے۔

یعنی جیسے ایک درخت کی دو شاخیں ہوتی ہیں اور وہ دونوں شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں، نبی علیہ السلام نے اس طرح ان کو مثال دی۔ چونکہ دونوں کا رشتہ بہت قریب کا تھا، چچازاد بھائی تھے، فرمایا: علی! میرا اور تیرا رشتہ اتنا قریب کا رشتہ ہے۔

مواخات مدینہ: (۱)

جب نبی علیہ السلام مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ نے مہاجرین کو Settle (آباد) کرنا تھا، یہ اس زمانے کا بڑا مسئلہ تھا اور کسی بھی لیڈر کے لیے ایک بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ ہزاروں آدمی ہجرت کر کے آجائیں تو ان کو کہاں Settle (آباد) کیا جائے؟ ان کے لیے خیمہ بستی بنائیں؟ ان کو کس پر بوجھ بنائیں؟ ان کے کام کاروبار کا کیا بنے گا؟ یہ ایک بڑا کام تھا، مگر نبی علیہ السلام نے اس کا اتنا پیارا اور بہترین حل بنایا کہ آپ نے مواخات بنا دی، فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''سب ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا، یہ مہاجر اس کا بھائی، یہ مہاجر اس کا بھائی، سب کو بھائی بھائی بناتے گئے۔

انصار کا حسن سلوک:

مہاجرین کو ان انصار میں اس طرح بھائی بنایا کہ ایک انصاری کے ہاں دو باغ تھے، انہوں نے مہاجر بھائی کو کہا کہ دو میں سے ایک باغ تم پسند کر لو، ایک باغ میں لے لوں گا اور ایک تمہارا ہو جائے گا، تمہارا بھی گزارا ہو جائے گا اور میرا بھی گزارا ہو جائے گا۔

ایک نے کہا: میرے دو مکان ہیں، ایک مکان میں میں رہ لیتا ہوں اور ایک مکان آپ لے لیں، ہم دونوں کی زندگی اچھی گزر جائے گی۔ ایک انصار بھائی نے تو یہاں تک کہا کہ دیکھو! میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے میں ایک کو طلاق دے کے فارغ کر دیتا ہوں، عدت گزرنے کے بعد تم اس کے ساتھ نکاح کر لینا، تمہیں بھی بیوی مل جائے گی اور مجھے بھی ایک بیوی خدمت کے لیے کافی ہو جائے گی، ہم دونوں بھائی اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گزارا کریں گے۔ یعنی مواخات کی یہ مثال پوری دنیا میں کوئی پیش نہیں کر سکتا جو نبی علیہ السلام نے پیش فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی:

جب آپ نے سب کو بھائی بھائی بنا دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! آپ نے باقی سب کو بھائی بھائی بنا دیا، میری مواخات کس کے ساتھ ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: علی! تیری مواخات میرے ساتھ ہے، تو میرا بھائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ سعادت تھی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخات میں ان کو اپنا بھائی فرمایا۔

دنیا آخرت میں نبی علیہ السلام کے بھائی:

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اَنتَ اَخِی فِی الدُّنیَا وَالآخِرَةِ)(سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۲۰)

''(علی!) تو دنیا اور آخرت دونوں میں میرا بھائی ہے۔''

اندازہ لگایئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنا بھائی فرمادیا؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا محب اور دشمن:

ایک حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ)(المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث: ۲۱۵۶)

''(علی!) تم سے محبت نہیں کرسکتا، مگر وہی جو مومن ہوگا، اور تجھ سے وہی بندہ بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ السلام کی اس حدیث کی وجہ سے حضرت علی سے محبت رکھتے تھے۔ الحمدللہ! آج اہل سنت والجماعت کے جتنے حضرات ہیں سب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، بلکہ چاروں خلفائے راشدین سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ:

ایک مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئیں، پوچھا کہ نبی علیہ السلام کہاں ہیں؟ فرمایا کہ وہ تو کہیں گئے ہوئے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس چلی گئیں۔ جب نبی علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام کو بتایا کہ اے اللہ کے حبیب! فاطمہ آئی تھیں۔

جب نبی علیہ السلام نے سنا کہ فاطمہ آئی تھیں تو نبی علیہ السلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور فاطمہ ہم ایک بستر پر سو گئے تھے۔ اس

زمانے کا بستر کیا ہوتا تھا؟ بس ایک ٹاٹ ہوتا تھا، وہ بچھا دیا جاتا تھا، اسی کے اوپر لیٹ جایا کرتے تھے، وہی ان کا بستر کہلاتا تھا۔ چونکہ رات کے سونے کا وقت ہو چکا تھا اس لیے ہم دونوں سو چکے تھے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آئے تو دروازے سے آواز دی۔ دروازہ کیا تھا؟ وہ بھی ٹاٹ کا ایک کپڑا تھا جو لٹکایا ہوا تھا، یہ دروازہ ہوا کرتا تھا، لکڑی کے دروازے نہیں تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر بھی ایک موٹا کپڑا تھا جو دروازہ کہلاتا تھا، بس پردہ ہٹا کر آ جاتے تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے آواز دی، پردہ ہٹایا اور اندر تشریف لے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ میں اٹھ کر بیٹھ جاؤں، لیکن نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(عَلٰی مَکَانِکُمَا)

''تم دونوں جہاں ہو اسی حال میں رہو۔''

تمہیں ملنے جلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی لیٹی ہوئی تھیں اور ساتھ قریب میں میں بھی لیٹا ہوا تھا، نبی علیہ السلام تشریف لائے اور ہم دونوں کے درمیان میں اس طرح بیٹھ گئے کہ نبی علیہ السلام کی ایک ٹانگ مبارک میرے جسم کے ساتھ لگ رہی تھی اور دوسری ٹانگ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جسم سے لگ رہی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ہم دونوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئے۔

تسبیحات فاطمہ کا تحفہ:

نبی علیہ السلام نے پوچھا: بیٹی فاطمہ! کیا تم مجھے ملنے آئی تھی؟ عرض کیا: اے ابا جان! میں ملنے کے لیے آئی تھی۔ کیا مقصد تھا ملنے کا؟ ابا جان! آپ کے پاس بہت ساری باندیاں آئی ہیں، غلام آئے ہیں اور میں گھر میں اکیلی ہوں، سارے کام مجھے کرنے

پڑتے ہیں، میں کھانا بھی بناتی ہوں اور گھر کے برتن بھی دھوتی ہوں، جھاڑو بھی دیتی ہوں، باقی کام بھی کرتی ہوں اور میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، میں نے چاہا کہ آپ مجھے کوئی باندی دے دیں، خادم دے دیں تو مجھے گھر کے کاموں میں آسانی ہو جائے گی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بھی دے سکتا ہوں، لیکن اگر چاہو تو میں تمہیں اس سے بہتر ایک چیز دے دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: آپ مجھے وہی بہتر چیز عطا فرما دیجیے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: بہتر چیز یہ ہے کہ جب نماز پڑھا کرو تو نماز کے آخر پر ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ باندی یا غلام ملنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۷۰۵)

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس پر خوش ہو گئیں اور یہ تسبیحات فاطمہ کہلائیں۔ نبی علیہ السلام کا تسبیحات فاطمہ کا بتانا یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک اعزاز کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بستر کے اوپر آ کر بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا عمل عطا فرمایا جس عمل سے پوری امت نے فائدہ اٹھایا۔

نبی علیہ السلام کا حجۃ الوداع:

نبی علیہ السلام نے دس ہجری میں حج فرمایا، نو ہجری میں حج فرض ہوا تھا، اس سال نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے حج فرمایا تھا۔ پھر اگلے سال نبی علیہ السلام خود امیر حج بن کر تشریف لائے، اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، حجۃ الوداع میں بہت سارے صحابہ کرام بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ آئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حج:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت یمن میں تھے، وہ یمن سے ایک جماعت لے کر مکہ مکرمہ

پہنچے اور وہاں ان کی نبی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، نبی علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

(بِمَ اَھْلَلْتَ؟)

''(علی!) تم نے کون سا احرام باندھا ہوا ہے؟''

حج تین طرح کے ہوتے ہیں: حج افراد، حج قران اور حج تمتع۔ نبی علیہ السلام پوچھنا چاہتے تھے کہ تم نے کس حج کی نیت کی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو پتہ نہیں تھا کہ نبی علیہ السلام نے کس حج کی نیت کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑا خوبصورت جواب دیا، انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے حبیب! اللہ کے نبی نے جو احرام باندھا ہے میں نے بھی وہی باندھا ہے۔'' (تفسیر قرطبی، ج۲، ص۳۰۷، تفسیر سورۃ البقرۃ)

یعنی میں نے احرام باندھتے ہوئے یہ نیت کی تھی کہ: اے اللہ! میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس حج کا احرام باندھا ہے، میں بھی اسی حج کا احرام باندھ رہا ہوں۔

آپ اندازہ لگائیے! محبت کا کیا عالم تھا! چنانچہ انہوں نے پھر حج قران کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قربانی:

نبی علیہ السلام کے پاس قربانی کے جانور تھے اس کو ''ہدی'' کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہدی لے آئے تھے، نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے نبی! میں اپنے لیے بھی قربانی کا جانور لایا ہوں اور آپ کی قربانی کے لیے بھی میں اپنے ساتھ جانور لے کر آیا ہوں۔

نبی علیہ السلام کی قربانی ذبح کرنے کی سعادت:

نبی علیہ السلام نے ایک سو اونٹ قربان کیے، ان میں سے تریسٹھ اونٹ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ذبح فرمائے اور جو تریسٹھ کے بعد باقی تھے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

ذمے لگایا کہ میری طرف سے باقی اونٹ کی قربانی آپ دے دیجیے۔

(مسند احمد، حدیث:۲۳۵۹)

یہ سعادت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی کہ نبی علیہ السلام کے اونٹ انہوں نے اپنے ہاتھ سے قربان کیے۔ یہ حضرات ان اعمال کا نصیب ہوجانا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، آج کا مسلمان تو مال پیسے کے مل جانے کو بڑی کامیابی سمجھتا ہے، جبکہ وہ حضرات ایسی سعادتوں کے مل جانے کو کامیابی سمجھتے تھے۔

علی رضی اللہ عنہ کا دوست نبی علیہ السلام کا دوست:

ایک موقع پر نبی نے لوگوں کے دلوں میں حضرت علی کی اہمیت اور عظمت بٹھانے کے لیے ارشاد فرمایا:

(مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ)

''جس کا میں دوست ہوں علی اس کا دوست ہے۔'' (سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۱۳)

یعنی میرا دوست وہی بن سکتا ہے جو علی رضی اللہ عنہ کا دوست ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ شہر علم کا دروازہ:

ایک مرتبہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا) (مستدرک حاکم، حدیث: ۴۶۳۸)

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سعادت ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی پیاری مثال کے ساتھ ان کی عظمت کو سمجھایا۔

علم ولایت سب زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا:

ہاں علمائے اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے جو علم ولایت تھا وہ سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاصل کیا، علم ولایت سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پایا اور جو علوم نبوت تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے حاصل کیے تھے، لہٰذا علوم نبوت اور کمالات نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے اور کمالات ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاصل کیے، اس لیے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(اَنَا مَدِینَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا) (مستدرک حاکم، حدیث:۴۶۳۸)

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

ولایت کے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک نقشبندی نسبت چلتی ہے اور باقی تینوں سلاسل چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چلتے ہیں، یہ سارے سلسلے اوپر جا کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے ہیں اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ان سے یہ سلسلے آگے چلے۔ چنانچہ امت کے اندر کمالات ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پھیلے اور کمالات نبوت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے پھیلے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدلل فیصلے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ذہانت عطا فرمائی تھی، خاص طور پر آپ کے جو فیصلے ہوا کرتے تھے وہ بہت زیادہ جامع اور مدلل ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے فیصلوں کا بڑا احترام فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت کے اوپر زنا کا الزام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ اس کو لے جائیں اور لے جا کر اس کو رجم کر دیں، سنگسار کر دیں۔ صحابہ اس کو لے کر جا رہے تھے، ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے اور مجھے سنگسار کرنے کے لیے لے کر جا رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو فرمایا کہ تم اسے نہیں لے جا سکتے، اس کو واپس لے آؤ اور ہم امیر المومنین سے بات کرتے ہیں، چنانچہ جب آئے تو امیر المومنین سے انہوں نے کہا: امیر المومنین! آپ نے حکم دیا؟ فرمایا: ہاں! میں نے حکم دیا ہے کہ اس کو رجم کر دو، اس نے گناہ کا اقرار کر لیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین! آپ اس کو رجم کا حکم اس لیے نہیں دے سکتے کہ یہ عورت حاملہ ہے اور عورت جب تک حاملہ ہو اس کو رجم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اگر عورت کو رجم کیا جائے گا تو جو بچہ پیٹ میں پرورش پا رہا ہے وہ ویسے ہی مر جائے گا، لہٰذا اس طرح ناحق قتل کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اتنا انتظار کرنا پڑے گا کہ بچہ پیدا ہو جائے پھر عورت کو اس وقت سنگسار کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ'' (منهاج السنة لابن تیمیہ، ج۶، ص۲۱)

''اگر علی نہ ہوتے تو عمر تو ہلاک ہی ہو جاتا۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عدالت کے معاملے میں اور قضا کے معاملے میں سب صحابہ سے بلند درجہ رکھتے تھے۔

دو مسافروں کا عجیب مقدمہ:

چنانچہ ایک مرتبہ ایک مقدمہ لایا گیا اور وہ مقدمہ بھی عجیب تھا، دو مسافر بندے تھے، سفر پہ چل رہے تھے، کھانے کا وقت ہوا تو ایک نے اپنی پانچ روٹیاں نکالیں اور دوسرے بندے نے اپنی آٹھ روٹیاں نکالیں اور مل کر کھانے لگے، ایک تیسرا آدمی بھی شامل ہو گیا، سب نے کھانا کھایا، کھانا کھانے کے بعد جو تیسرا بندہ تھا اس نے روٹیوں کے بدلے میں آٹھ دینار دیے، اب جس کی پانچ روٹیاں تھیں وہ کہتا تھا کہ پانچ دینار میں لیتا ہوں اور جس کی تین روٹیاں ہیں وہ تین دینار لے لے، مگر تین دینار والا جھگڑا کر رہا تھا کہ نہیں! مجھے زیادہ چاہییں۔

اب یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس تین والے کو فرمایا: بھئی! یہ تمہیں تین دینار دے رہا ہے تم لے لو، تمہارا اس میں فائدہ ہے۔ اس نے کہا: نہیں! مجھے تو عدل وانصاف چاہیے، مجھے اپنا پورا حصہ چاہیے۔ جب اس نے زیادہ کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں جو انصاف کروں گا تم اس کو قبول کرو گے؟ کہا: جی! میں قبول کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا! جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس کو سات دینار دے دیے جائیں اور جس کی تین روٹیاں تھی اس کو ایک دینار دیا جائے۔

اب وہ بڑا حیران کہ حضرت! آپ نے یہ فیصلہ کیسے کیا؟ فرمایا: فیصلہ قبول ہے تمہیں؟ اس نے کہا: جی! مجھے قبول ہے۔ فرمایا: ہاں! میں تجھے Logic (دلیل) بتا دیتا ہوں، Logic (دلیل) یہ ہے کہ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں، اب ان آٹھ روٹیوں کو تین بندوں نے برابر برابر کھایا، ہم یہی گمان کر سکتے ہیں کہ تینوں نے برابر کھایا ہوگا اس کے علاوہ اور اس کا کوئی طریقہ نہیں، اب کس

نے کتنا کھایا؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ روٹیاں بنیں اور تین بندے تھے، ان تین بندوں میں آٹھ روٹیوں کے برابر ٹکڑے تقسیم کیے جائیں تو چوبیس ٹکڑے بنے، لہٰذا ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ اب جس کی تین روٹیاں تھیں اس کے نو ٹکڑے بنتے ہیں اور اس نے آٹھ ٹکڑے تو اپنے خود کھائے اور ایک ٹکڑا فالتو دوسرے بندے نے کھایا، جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے بنے، پانچ تین پندرہ، اس میں سے آٹھ اس نے خود کھائے اور سات ٹکڑے دوسرے نے کھائے، لہٰذا میں نے فیصلہ یہ کیا کہ سات دینار اس کو دے دیے جائیں اور ایک دینار تین روٹیوں والے کو دے دیا جائے۔

پھر وہ کہنے لگا:

(رَضِيْتُ الآنَ)

''اب میں راضی ہو گیا۔'' (الاستیعاب، ج ۱، ص: ۳۴)

ایک خارجی کو کرارا جواب:

ایک خارجی تھا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعتراض کرنے لگا کہ حضرت! آپ سے پہلے جو خلفاء راشدین تھے ان کے زمانے میں بڑی فتوحات ہوئیں، ان کے زمانے میں بڑا اسلام پھیلا، اس کے ساتھ بڑا امن اور سکون بھی تھا، جبکہ آپ کے دورِ خلافت میں تو بس خانہ جنگی ہوتی رہی، آپس میں ہی لڑتے رہے، اسی میں وقت گزر گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی اور فرمایا کہ دیکھو! جو مجھ سے پہلے خلفائے راشدین گزرے ہیں ان کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو، اس لیے ان کے زمانے

میں فتوحات ہوئیں اور ہمارے زمانے میں خانہ جنگی میں وقت گزر گیا۔

ایسا جواب دیا کہ وہ بندہ منہ لٹکا کر چلا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب:

کوفے کا ایک آدمی تھا، اس کا نام ابن ملجم تھا، وہ کسی عورت پر عاشق تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ نکاح کرے اور شادی کر لے۔ اس نے عورت کو رشتہ پیش کیا، عورت نے کہا: میری دو باتیں ہیں، ان کو پورا کر دو تو میں نکاح کر لوں گی۔ پوچھا: کون سی دو باتیں؟ اس نے کہا: ایک بات تو یہ ہے کہ نکاح کا تین ہزار مہر ہوگا۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، مجھے قبول ہے۔ اس نے کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ میرے قبیلے کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت قتل کروایا ہے۔ یعنی آپس میں جنگ ہوئی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے ان کے لوگوں کو خوب مارا تھا۔ کہنے لگی کہ اس کا میرے دل میں بڑا غصہ ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دو۔ اس بدبخت نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا، چنانچہ اس کے لیے اس نے ایک خنجر کو زہر میں بھگویا تاکہ اس خنجر کا وار لگے تو خنجر کے وار سے بندہ اگرچہ نہ بھی مرے، لیکن زہر کے اثر سے وہ مر جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

سترہ رمضان المبارک کی صبح تھی، وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے مسجد میں جانے کے لیے نکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مسجد میں جاتے تھے تو "اَلصَّلٰوۃ اَلصَّلٰوۃ" کہہ کر لوگوں کو جگایا بھی کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جا رہے تھے، اندھیرا تھا، اول وقت میں نماز پڑھی جاتی تھی، وہ ایک جگہ چھپا بیٹھا تھا، اس نے اچانک خنجر کا وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخم لگے اور حضرت علی گر گئے، لوگ آ گئے، انہوں

نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چل گیا کہ اس بندے نے مجھے یہ زخم لگایا ہے، اس زخم کے اندر وہ جو زہر کے اثرات تھے ان کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ دو دن کے بعد شہید ہو گئے۔ بیس رمضان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

(اسد الغابہ، ج۱، ص ۸۰۴)

اس طرح علم کا اتنا بڑا سورج اس دارفانی سے غروب ہو گیا اور امت کے اتنے بڑے بطل جلیل سے ہم محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی امیدوں سے بڑھ کر ان کو اجر اور بدلہ عطا فرمائے اور ہمیں اللہ تعالیٰ ان کی سچی محبت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت:

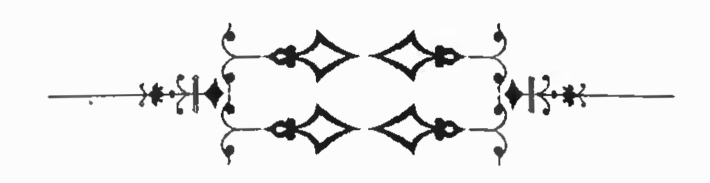
کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

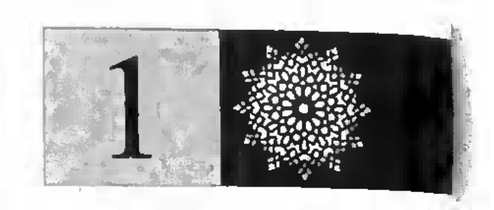
تیرا حال سب کو سنانا پڑے گا
زمانے کو پھر سے جگانا پڑے گا
گرایا تھا جس نعرے سے تو نے خیبر
وہی نعرہ پھر اب لگانا پڑے گا
بہت مار کھائی ہے غیروں سے ہم نے
تیری راہ پہ خود کو لانا پڑے گا
جسے رکھ دیا ہم نے مشکل سمجھ کر
وہی بھاری پتھر اٹھانا پڑے گا
تیرے جیسی عزت اگر مانگتے ہیں

شجاعت کا پرچم اٹھانا پڑے گا
کھڑے ہو کے ہر وادی پر خطر میں
حوادث سے خود مسکرانا پڑے گا
مٹانا پڑے گا سبھی نفرتوں کو
چراغ محبت جلانا پڑے گا
تیری جیسی عظمت اگر چاہتے ہیں
تو بوسیدہ خیموں میں جانا پڑے گا
نظر کو تیری بارگاہ ادب میں
جھکانا پڑے جھکانا پڑے گا

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات بابرکات سے بہترین فیض عطا فرمائے اور علوم و معرفت جو اللہ نے ان کو عطا کیے تھے ان میں سے کوئی حصہ اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

استاد کے مقام کا اندازہ: ①

استاد کے مقام کا اندازہ لگانا ہو تو شاگردوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ شاگردوں کو دیکھ کے

پتہ چلتا ہے کہ استاد کتنا عظیم ہے۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں کو دیکھو کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں آ کر کیسے انسان تیار کیے۔ ہر صحابی کے اندر ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں کہ واقعی دل گواہی دیتا ہے کہ یہ فرشتوں سے اونچا درجہ رکھنے والے لوگ تھے۔

کس صحابی کی اقتدا کریں؟

پھر ہر صحابی کے حالات بھی مختلف ہیں اور اس میں بھی حکمتیں ہیں۔ ہر بندہ اس صحابی کو دیکھے جس کے حالات سے اس کو زیادہ مناسبت ہے اور پھر اُسی صحابی کی اقتدا کرلے۔ مثال کے طور پر:

ایک بندے کے پاس پیسہ ہونے کی چار صورتیں ہیں:

❁ ...... جتنا پیسہ تھا، وہ سارے کا سارا اللہ کے راستے میں لگانا چاہتا ہے تو وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو سامنے رکھے۔

❁ ...... دوسری صورت یہ ہے کہ پیسہ تو ہے، مگر وہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کو سامنے رکھے۔ آدھا پیسہ گھر والوں کے لیے اور آدھا پیسہ اللہ کے راستے میں۔

❁ ...... تیسری صورت یہ ہے کہ بندے کے پاس بہت پیسہ ہے اور وہ خوب خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھے۔ انہوں نے ایک ایک موقع پر سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اللہ کے راستے میں پیش کر دیئے۔

❁ ...... اور چوتھی صورت یہ ہے کہ بندے کے پاس پیسہ بالکل ہی نہ ہو، غریبی کی زندگی گزار رہا ہو تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہت فقر و فاقہ

کی زندگی گزاری۔ پوری زندگی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ پیسہ جمع ہی نہیں ہوتا تھا تو زکوٰۃ کیسے فرض ہوتی۔

لہٰذا ہر انسان کی چار صورتیں ہیں اور چاروں خلفائے راشدین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، یوں ہر بندے کو اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی صحابی کی زندگی سے رہنمائی مل جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعی ایک ایسی جماعت تیار کر دی تھی کہ انسانوں میں ایسی جماعت کا ہونا اللہ کی ایک خصوصی مہربانی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے عظیم اور مخلص لوگ تھے جو اللہ سے ڈرنے والے، شریعت پر عمل کرنے والے اور دین کی خاطر اپنی زندگیوں کو قربان کرنے والے تھے!!!

خلفائے راشدین کے بعد جن صحابی کا آج میں تذکرہ کروں گا، ان کا نام ہے ''حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ''۔

ابتدائی تعارف:

یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم میں سے تھے، سابقین اوّلین میں سے ہیں، ان کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے۔

بصرہ کے راہب کی پیشگوئی:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے بصرہ گئے۔ فرماتے ہیں کہ میلہ لگا ہوا تھا، میں وہاں پر اپنی خرید و فروخت کر رہا تھا، اچانک ایک مکان کی کھڑکی سے ایک راہب نے سر نکالا اور مجمع سے پوچھا: تم میں سے کوئی حرم کا رہنے والا بھی ہے؟ فرماتے

ہیں کہ میں نے کہا کہ ہاں! میں حرم کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا: بتاؤ، کیا احمد کا ظہور ہو گیا ہے؟ میں تو سن کے حیران ہو گیا، کیونکہ یہ نام تو کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے پوچھا: احمد کون؟ اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا ظہور ہونا ہے اور وہ اللہ کے آخری نبی ہوں گے۔ مکہ میں ان کا ظہور ہوگا، پھر وہ کچھ عرصہ بعد مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ میں نے کہا کہ ابھی تک تو ظہور نہیں ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ ہماری کتابوں میں تو لکھا ہے کہ اسی مہینے ان کا ظہور ہونا ہے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ سابقہ کتب میں مہینے تک کا اندازہ ہوتا تھا کہ نبی علیہ السلام نے کب نبوت کا دعویٰ فرمانا ہے۔

مکہ واپسی:

فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ساری باتیں یاد کرلیں اور جلدی سے واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ مکہ پہنچ کر لوگوں سے پوچھا: کیا کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ایک بندے نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور ابوبکر اس پر ایمان لے آیا ہے۔ یہ نئی بات ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

کہتے ہیں کہ میں سیدھا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ تم ایمان لے آئے ہو؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! میں ایمان لے آیا ہوں اور تم بھی ان کی خدمت میں جاؤ اور ایمان لے آؤ، وہ حق پر ہیں، وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تو پھر میں نے انہیں راہب والا واقعہ سنایا۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اچھا! پھر میں تمہیں خود ساتھ لے کے جاؤں گا، تم یہ واقعہ نبی علیہ السلام کو سنانا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی ہوگی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو

لیکر آئے کہ انہوں نے ایک واقعہ سنانا ہے جو ان کے ساتھ پیش آیا ہے۔ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا۔

قبولِ اسلام:

نبی علیہ السلام خوش ہوئے اور پھر مسکرا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمایا کہ کیا ایمان لانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اب ان کے رشتہ دار بڑے غصے میں کہ پہلے ابوبکر دین چھوڑ گیا تھا، اب یہ بھی دین چھوڑ گیا۔

''قرینین'' کہلانے کی وجہ:

چنانچہ ''نوفل بن خویلد'' نامی ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اکٹھا ایک رسی کے اندر باندھ دیا۔ اس وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت مل گئی، چنانچہ ان کو ''قرینین'' کہتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کے ساتھی۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۱۸۱، اسد الغابہ: ۲: ۴۳]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا جبر:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بڑی جابرہ عورت تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا بیٹا مسلمان ہو گیا ہے تو اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بہت ٹف ٹائم دیا۔ مسعود بن حراش کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا، میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ جس کے ہاتھ رسی کے ذریعے اس کے گلے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے ایک عورت چل رہی تھی جو اس کو گالیاں دے رہی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ یہ طلحہ ہے جو بے دین ہو گیا ہے اور پیچھے پیچھے اس کی والدہ چل رہی ہے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے بے عزت کر رہی ہے، تاکہ یہ اپنے

دین میں واپس آجائے۔[الاصابہ فی تمیز الصحابہ:٦/ ٩٦]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تدیّن:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت کے اندر خوش اخلاقی بہت تھی۔عبادت گزاری بھی تھی۔ لوگوں کے حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ایک مرتبہ چند لوگوں کی امامت کروائی تو نماز پڑھانے کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ کیا آپ سب لوگ مجھ سے راضی ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی! ہم آپ سے راضی ہیں۔مگر آپ ہم سے یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ فرمایا: میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ اس حال میں کسی قوم کی امامت کروائے کہ مقتدی اس سے راضی نہ ہوں تو اس کی نماز اس کے سر سے اوپر نہیں اُٹھائی جاتی، قبول ہی نہیں کی جاتی۔اس لیے میں تصدیق کر رہا ہوں کہ کیا واقعی آپ لوگ مجھ سے خوش ہیں یا نہیں۔آپ مجھ سے خوش ہوں گے تو پھر میری نماز اللہ کے ہاں قبول ہو جائے گی۔[المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:٢١٠]

اِنفاق فی سبیل اللہ:

❁.....حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام تھا''سعدیٰ''۔وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بہت مضطرب سے ہیں، طبیعت میں بے چینی ہے۔میں نے پوچھا کہ آپ اتنے بے چین کیوں ہیں؟ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو میں آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں، تم ایک اچھی بیوی ہو، میں تم سے خوش ہوں۔بات کوئی اور ہے۔میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ میرے پاس بہت سارا مال جمع ہو گیا ہے اور اب مجھے یہ بے چینی ہو رہی ہے کہ میں اللہ کے ہاں مقبول بھی ہوں یا نہیں۔تم مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟ سعدیٰ

کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ اس مال کو ابھی اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیں۔ میری بات سن کے وہ خوش ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت مدینہ کے غریبوں کو بلایا اور 4 لاکھ دراہم صدقہ کر دیئے۔ [طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۰]

...... وہ فرماتی ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک لاکھ درہم صدقہ کیے۔ پھر آپ کو مسجد جانے سے اس چیز نے روکا کہ میں آپ کے کپڑے کے ایک کنارہ کی سلائی کر دوں۔ [حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۸۸]

یعنی ایک لاکھ درہم صدقہ کر دیئے اور اپنی حالت یہ تھی کہ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔

...... حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ زمیندار تھے، کاشت کاری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے 7 لاکھ دراہم کے بدلے زمین بیچی۔ اس رات انہیں اس وجہ سے نیند نہ آئی کہ میرے پاس 7 لاکھ دراہم موجود ہیں، اگر مجھے اس حال میں موت آ گئی تو میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ [حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۸۸]

...... ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے زمین خریدی تو وہ بھی 7 لاکھ دراہم میں بکی۔ انہوں نے 7 لاکھ دراہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے لیے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری رقم غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔ [طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۱]

چنانچہ ان کی اس سخاوت کی وجہ سے انہیں ''طَلحةُ الخَیر'' اور ''طلحةُ الفیّاض'' کہا جاتا تھا۔ [اسد الغابہ: ۲/ ۴۳]

...... حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے کسی پہاڑ کے دامن میں ایک کنواں خریدا اور اس خوشی میں صحابہ کرام کی دعوت کی۔ سب کو بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم ''طلحةُ الفیّاض'' یعنی بڑے

فیاض اور بہت سخی آدمی ہو۔ [تاریخ الاسلام للذہبی: ۵ / ۱۱۷]

اب جن کی فیاضی کی تعریفیں نبی علیہ السلام فرمائیں، آپ خود سوچیں وہ کتنے سخی انسان ہوں گے...!!

باری تعالیٰ سے ایفائے عہد: ❶

(عَنْ مُوسٰی، وَعِیسَی، ابْنَيْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِمَا طَلْحَةَ، أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِأَعْرَابِيٍّ جَاهِلٍ: سَلْهُ عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ مَنْ هُوَ؟ وَكَانُوا لَا يَجْتَرِئُونَ عَلٰى مَسْأَلَتِهِ يُوَقِّرُونَهُ وَيَهَابُونَهُ، فَسَأَلَهُ الْأَعْرَابِيُّ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ إِنِّي اطَّلَعْتُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ وَعَلَيَّ ثِيَابٌ خُضْرٌ، فَلَمَّا رَآنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »أَيْنَ السَّائِلُ عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ؟« قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ«).

[سنن الترمذی:3203]

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک جاہل دیہاتی سے کہا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں کہ کون شخص ہے جس نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے؟ اور (یہ اس لیے کہا کہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر اور ہیبت کی وجہ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے مسجد کے دروازے سے

مسجد میں جھانکا اس حال میں کہ میں نے سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: وہ آدمی کدھر ہے جس نے سوال کیا تھا کہ وہ شخص کون ہے جس نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے؟ اس دیہاتی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ (طلحہ) ہے وہ شخص نے جس نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔"

اس "وعدہ" کا تذکرہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾﴾ (الاحزاب: ٢٣)

"انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔ اور انھوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔"

اس آیت کے مطابق جو لوگ اللہ کے ہاں اپنی نذر پوری کر چکے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے۔

اُحد میں بہادری و جانثاری: (۱)

یہ سعادت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہے کہ وہ اُحد کے میدان میں نبی علیہ السلام کے بہت قریب تھے۔ جب کفار نے پلٹ کر حملہ کیا تو مسلمان منتشر ہو گئے تھے، لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ تھے۔ کفار نے نبی علیہ السلام پر زور سے حملہ کیا، ہر بندہ تیر برسا رہا تھا، نیزے اور تلوار کے وار کر رہا تھا اور کفار میں سے ہر شخص چاہتا تھا کہ نبی علیہ السلام کو شہید کر دیا جائے۔ اس وقت نبی علیہ السلام کو بچانے کے لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ موجود رہے۔

چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے آگے کھڑے ہو گئے اور سارے تیروں کو اپنے جسم پر روکا۔ بہت سارے تیر ایسے تھے جن کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی کے ساتھ روکا۔ ہتھیلی پہ کانٹا چبھ جائے تو بندے کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلی پر دشمن کے تیر روک رہے تھے... ان کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے، مگر وہ ہر لحاظ سے نبی علیہ السلام کو کفار کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ انہیں تلواروں کے زخم آئے، تیروں اور نیزوں کے زخم آئے، مگر پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو پوری طرح محفوظ کیا، حتیٰ کہ زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے بیہوش ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھاگا کہ نبی علیہ السلام کا پتہ کروں تو دیکھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ زخمی حالت میں پڑے ہیں، مگر اس وقت میرا دل چاہا کہ میں نبی علیہ السلام کی حفاظت کروں۔ طلحہ رضی اللہ عنہ تو گر گئے تھے، چنانچہ میں نبی علیہ السلام کے قریب آ گیا۔ اب جو شخص آگے آتا تھا تو میں اس کو تلوار کے وار سے پیچھے ہٹا دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس دن بہت سے کافروں کو گاجر اور مولی کی طرح کترا اور نبی علیہ السلام کو اُن سے بچائے رکھا۔

جب وہ زور کم ہو گیا تو نبی علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ ابوبکر! تم ذرا طلحہ کا خیال کرو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر (70) سے زیادہ زخم شمار کیے تھے۔

اللہ اکبر کبیرا! جسم پر 70 سے زائد زخم لگنے کا مطلب یہ ہوا کہ پورا جسم ہی زخم ہو گیا ہوگا... مگر نبی علیہ السلام کے صحابی نے عشق کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی کہ جو عاشق کہتے ہیں، وہ فقط زبانی کلامی دعوے نہیں کرتے، بلکہ اس طرح اپنی جان کے نذرانے پیش کر دیا کرتے ہیں۔ واقعی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام پر جانثاری کا حق ادا کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اُحد کا تذکرہ کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دن کا میلہ تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لُوٹ لیا۔[البدایۃ والنہایۃ:۱۷/۸۷]

چلتا پھرتا شہید:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلٰى وَجْهِ الأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ.) [جامع ترمذی، رقم:۳۷۳۹]

''جو بندہ دنیا میں کسی شہید کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔''

تو نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے شہادت کی خوشخبری ان کو بہت پہلے سے مل چکی تھی۔ ان کو پتہ تھا کہ آخر ایک دن میں نے شہید ہونا ہے۔

''سترہ'' کی مشروعیت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مسائل کا بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کئی مرتبہ ہم لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور جانور ہمارے آگے سے گزر جاتے ہیں۔ اس سے ہماری نماز میں کوئی حرج تو نہیں ہوتا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا

(مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ تَكُونُ بَيْنَ يَدَيْ أَحَدِكُمْ، ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ.) [صحیح مسلم، رقم:۴۹۹]

''کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند کوئی چیز اگر تمہارے آگے ہو تو جو بھی تمہارے سامنے سے گزرے تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔''

یعنی ''سترہ'' جو نمازی کے آگے رکھا جاتا ہے، اس کا مسئلہ سب سے پہلے حضرت

طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔

کلمہ کی فضیلت:

ایک دفعہ طلحہ رضی اللہ عنہ بڑے مغموم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا: طلحہ! آج تم بڑے غمزدہ نظر آتے ہو۔ جواب دیا کہ امیر المؤمنین! نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ایک کلمہ ہے، جو کوئی بندہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔ مگر اس محفل میں نبی علیہ السلام نے وہ کلمہ بتایا نہیں۔ میں بڑا غمزدہ ہوں کہ کاش! میں نے وہ کلمہ پوچھ لیا ہوتا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلحہ! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے وہ کلمہ معلوم ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ''الحمدللہ'' پڑھا اور فوراً پوچھا کہ وہ کون سا کلمہ ہے۔؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ وہی کلمہ ہے جس کو نبی علیہ السلام نے اپنے چچا ابوطالب پر پیش کیا تھا، یعنی ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہاں! آپ کی بات بالکل درست ہے۔ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۸۷]

مہمان نوازی:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بڑے مہمان نواز تھے، بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی مہمان آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے کہ کون ان کی مہمان نوازی کرے گا؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہاتھ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

(عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِي عُذْرَةَ ثَلَاثَةً أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفِنِيهِمْ قَالَ طَلْحَةُ أَنَا قَالَ فَكَانُوا عِنْدَ طَلْحَةَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ أَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ قَالَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيهِمْ آخَرُ فَاسْتُشْهِدَ قَالَ ثُمَّ

مَاتَ الثَّالِثُ عَلَىٰ فِرَاشِهِ قَالَ طَلْحَةُ فَرَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ الَّذِينَ كَانُوا عِنْدِي فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلَىٰ فِرَاشِهِ أَمَامَهُمْ وَرَأَيْتُ الَّذِي اسْتُشْهِدَ أَخِيرًا يَلِيهِ وَرَأَيْتُ الَّذِي اسْتُشْهِدَ أَوَّلَهُمْ آخِرَهُمْ قَالَ فَدَخَلَنِي مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا أَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ لِتَسْبِيحِهِ وَتَكْبِيرِهِ وَتَهْلِيلِهِ.)[مسند احمد 1401]

''حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو عذرہ کے چند لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون ان کو کفایت کرے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ وہ طلحہ کے پاس ٹھہرے رہے۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا۔ ان میں سے بھی ایک آدمی شریک ہوا شہید ہو گیا۔ (کچھ عرصے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا لشکر بھیجا۔ ان می سے بھی ایک دوسرا آدمی شریک ہوا اور وہ بھی شہید ہوا۔ پھر (کچھ عرصے بعد) تیسرا آدمی اپنے بستر پر طبعی موت مر گیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے خواب میں ان تینوں کو جنت میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے بستر پر طبعی موت مرنے والا سب سے آگے ہے۔ اس کے پیچھے دوسرے نمبر پر شہید ہونے والا ہے اور آخر میں سب سے پہلے شہید ہونے والا ہے۔ مجھے (ان مراتب سے) بڑی تشویش ہوئی، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور یہ خواب بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کو اس سے کیوں تعجب ہوا؟ وہ مومن سب سے افضل ہے جسے اسلام کی زندگی نصیب ہوتی ہے، کیونکہ وہ (اپنی عمر میں) سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ کہتا رہتا ہے۔''

زندگی کو غنیمت جانیے:

ہماری زندگی ایک غنیمت ہے۔ ہم چاہیں تو ایسے اعمال کر سکتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمیں اللہ کے ہاں اونچے رُتبے نصیب ہو جائیں۔ ہم اپنے سب گناہوں سے توبہ کر سکتے ہیں اور اپنے اعمال نامے کو گناہوں سے خالی لے کر اللہ کے حضور پیش ہو سکتے ہیں۔ یہ نعمت ہمیں ابھی نصیب ہے جب تک ہمارے سانس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ جب سانس نکل جائے گا تو پھر عمل کرنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

اسی لیے کہتے ہیں:

؎ جب تک ہے سانس
تب تک ہے چانس

ہم چاہیں تو نیک اعمال کر سکتے ہیں، اپنے اللہ کو راضی کر سکتے ہیں، توبہ کے ذریعے اپنے گناہوں کو بھی مٹا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگی کے ان لمحات کو قیمتی بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر عتاب:

ایک صحابی تھے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔ غزوۂ تبوک میں جانے میں ان سے ذرا کوتاہی ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب مسلمانوں کو کہہ دیا تھا کہ ان سے گفتگو بند کر دیں۔ گویا ان کا سوشل بائیکاٹ ہو گیا تھا۔ وہ تقریباً 40 یا 50 دن اپنے گھر میں رہے۔ بڑے غمزدہ تھے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے گفتگو نہیں فرماتے۔ رو رو کے اُن کا بُرا حال تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر اس حال میں میری موت آ گئی تو قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اور اگر اس دوران اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے پردہ فرمالیا تو پھر میرا کیا ہوگا۔ ان کو زیادہ غم اس بات کا تھا کہ معلوم نہیں میری توبہ کب قبول ہوگی۔

آخر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ فرماتے ہیں کہ جب مجھے خوشخبری ملی کہ میری توبہ اللہ نے قبول کر لی ہے تو میں مسجد میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ میری توبہ کے قبول ہونے سے خوش تو بڑے تھے، جس چہرے کو دیکھتا، وہ مجھے مسکراتا نظر آتا تھا، کھلا ہوا دکھائی دیتا تھا، لیکن جب مجھے طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ بڑے پُرتپاک طریقے سے میرے پاس آئے، گلے ملے اور مجھے مبارکباد دی۔ فرماتے ہیں کہ مجھے پوری زندگی طلحہ کا اس طرح گرمجوشی سے ملنا نہیں بھولے گا۔

[البدایۃ والنہایۃ: ۱۸/ ۷۸]

اور واقعی ایسی بات ہے۔ جو بندہ غمزدہ ہوتا ہے، اس غم کی حالت میں کوئی اس کا ساتھ دے تو وہ بندہ کبھی نہیں بھولتا۔

چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی اور بندے نے مجھے اس ڈپریشن کے وقت میں اتنی تسلی نہیں دی جتنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی اس محبت بھری ملاقات نے میرے دل کو سکون بخشا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ... بہترین شوہر:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی خوبی تھی کہ وہ ایک کامل اور بہترین شوہر تھے۔ ان کی گھریلو زندگی نہایت قابلِ تقلید ہے۔

ایک صحابیہ تھیں، جن کا نام تھا ''اُمِّ اَبان رضی اللہ عنہا''۔ اللہ نے انہیں بہت صفات عطا فرمائی تھیں۔ شکل بھی اچھی تھی اور عقل بھی کامل۔ بہت سارے صحابہ نے ان کے پاس نکاح کو پیغام بھیجا، مگر انہیں کوئی رشتہ پسند نہیں آتا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے رشتہ بھیجا تو اس نے فوراً قبول کرلیا۔قریب کے لوگوں نے اس سے پوچھا کہ پہلے اتنے رشتے آئے، ان میں سے تو کوئی آپ نے قبول نہیں کیا اور طلحہ رضی اللہ عنہ کا رشتہ فوراً قبول کرلیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں ان کے قریب کی عورت ہوں اور ان کے اخلاق سے واقف ہوں، چنانچہ ان کے اخلاق کی وجہ سے میں نے ان کے رشتے کو قبول کرلیا ہے۔لوگوں نے پوچھا: کون سے اخلاق؟ اس خاتون نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی 6 خوبیاں گنوائیں اور کہا کہ جس خاوند میں یہ خوبیاں ہوں، وہ دنیا کا بہترین خاوند ہوا کرتا ہے۔

پہلی اور دوسری خوبی:

پہلی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو مسکراتے ہوئے داخل ہوتے ہیں...اور جب گھر سے باہر جاتے ہیں تو بھی مسکراتے ہوئے جاتے ہیں۔

لہٰذا خاوند کے اندر ان دو خوبیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ باہر سے آئے تو مسکراتا ہوا آئے، اہل خانہ کو سلام کرے۔ اور جب گھر سے جانا ہو تو مسکراتا ہوا جائے اور الوداع کر کے جائے۔

تیسری خوبی:

تیسری خوبی یہ ہے کہ جب ان سے مانگو تو دینے میں بخل نہیں کرتے۔ بیوی کی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں، لہٰذا جب بیوی اپنے خاوند سے کچھ پیسے مانگے تو اسے بخل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جتنا اللہ نے دیا ہے اس میں سے کھلے دل سے خرچ کرنا چاہیے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

جو لوگ گن گن کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کو گن گن کے دیتے ہیں۔اس لیے

فرمایا کہ تم دوسروں پر آسانی کرو، اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کریں گے۔

چوتھی خوبی:

چوتھی خوبی یہ ہے کہ اور اگر نہ مانگو تو دیر نہیں کرتے۔ یہ بھی عجیب خوبی ہے کہ اگر بیوی خود نہیں مانگ رہی تو خاوند کو چاہیے کہ وہ اندازہ لگائے کہ بیوی کی ضروریات ہیں یا گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ از خود بن مانگے بیوی کو پیسے دے دیا کرے۔

پانچویں خوبی:

پانچویں خوبی یہ بتائی کہ کوئی ان کا کام کر دے تو وہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مثلاً پہننے کے لیے کپڑے دھو کر دیئے تو وہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دستر خوان پہ ان کے سامنے کھانا رکھا تو وہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بہت سارے خاوند آج ایسے ہیں جن کے اندر یہ صفت موجود نہیں ہے۔ بیوی جتنی مرضی خدمت کرے، جتنی مرضی قربانی کرے۔ وہ کبھی بیوی کی کوششوں پر اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

چھٹی خوبی:

آخری خوبی یہ گنوائی کہ اگر بیوی سے خطا ہو جائے تو جلدی معاف کر دیتے ہیں۔
[کنز العمال، رقم: ۳۶۵۹۲]

اس کے برعکس آج ہمارے معاشرے میں کئی لوگ اپنی بیویوں کو ذلیل کرتے ہیں، زچ کرتے ہیں، دوسروں کے سامنے رُسوا کرتے ہیں، اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی کثرت:

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی بہت ساری احادیث روایت کرتے ہیں، باقی صحابہ اتنی روایت کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے واقعی ہم سے زیادہ احادیث سنی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مسکین آدمی تھے، ان کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، وہ ہر وقت نبی علیہ السلام کے مہمان رہتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی کھاتے پیتے تھے، جبکہ ہم گھر بار والے اور مالدار لوگ تھے۔ ہم صرف صبح و شام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ لہٰذا جتنی دین کی باتیں انہوں نے نبی علیہ السلام سے سنی ہیں، اتنی کوئی دوسرا بندہ نہیں سن سکا۔

[جامع ترمذی، رقم: ۳۸۴۷]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری:

غزوۂ اُحد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اتنی قربانی دی تھی، اتنی جانثاری دکھائی تھی کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اُن سے بڑا خوش تھا۔ جب غزوۂ اُحد سے واپس آئے تو نبی علیہ السلام نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ طلحہ کی تعریف میں اشعار لکھو۔ چنانچہ انہوں نے اشعار لکھے اور نبی علیہ السلام کی موجودگی میں منبر کے اوپر بیٹھ کے لوگوں کو سنائے۔

[مستدرک الحاکم، رقم: ۴۳۱۱]

آپ اندازہ لگایئے کہ نبی علیہ السلام کا دل کتنا خوش ہوگا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں اشعار لکھنے کا فرمایا۔

صلح کے لیے کوششیں:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس میں ٹکر ہونے لگی تو حضرت

طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ ان کے درمیان صلح ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے۔ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں آئی ہوئی تھیں۔ ان سے کہا کہ آپ امت کی ماں ہیں۔ جب دو بیٹوں میں لڑائی ہو جاتی ہے تو ماں کا یہ مقام ہوتا ہے کہ وہ ان بیٹوں کے درمیان صلح کروائے۔ لہٰذا آپ کا فرض بنتا ہے کہ ان کے درمیان صلح کروائیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات مان لی اور وہ بھی مکہ مکرمہ سے اس جگہ پر آئیں جہاں دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔

اُمّ المومنین کی نیت یہ تھی کہ میں دونوں سے بات کرکے ان کو سمجھاؤں گی کہ آپس میں لڑنا بند کر دیں اور صلح کے ساتھ اپنا وقت گزاریں۔ اُمّ المومنین اس ارادے سے وہاں پہنچیں... فریقین سے بات کر کے انہیں سمجھایا، دونوں طرف کے لوگ صلح پر آمادہ بھی ہو گئے تھے۔ مگر جو فتنہ باز لوگ تھے، انہوں نے رات کے اندھیرے میں حملہ کر دیا۔ اِدھر کے لشکر کے لوگ سمجھے کہ انہوں نے بدعہدی کی اور اُدھر کے لوگ سمجھے کہ اِدھر سے بدعہدی ہوئی، یوں آپس میں پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اس لڑائی کو ''جنگ جمل'' کہتے ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کا سبب:

اس لڑائی کے دوران حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ مروان بن الحکم نے موقع پا کر تیر مارا جو اُن کے گھٹنے میں لگا۔ گھٹنے میں سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ ہاتھ رکھا جاتا تھا تو خون بند ہو جاتا تھا اور جب ہاتھ ہٹاتے تھے تو خون بہنا شروع ہو جاتا تھا۔ لگتا تھا کہ جیسے خون کی کوئی بڑی نالی پنکچر ہو گئی ہو۔ اسی زخم کی وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

شہید ہو گئے اور انہیں ایک جگہ دفن کر دیا گیا۔[اسد الغابہ: ۲/ ۴۳، ۳/ ۲۲۳]

قبر کی منتقلی:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی قبر ذرا نشیبی جگہ میں تھی۔ جب کبھی بارش ہوتی تو ان کی قبر بارش کے پانی میں ڈوب جایا کرتی تھی۔ ایک شخص نے تین دفعہ خواب میں طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ بارش کا پانی میری قبر کے گرد جمع ہو جاتا ہے، مجھے یہاں سے نکال کے کسی دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ اس وقت ان کو شہید ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔

اس نے یہ خواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم ان کی لاش کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرو۔ چنانچہ لوگوں نے 10 ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا اور وہاں اُن کو دفن کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ جب ان کی قبر کو کھولا تو ہم نے ان کی لاش کو بالکل سلامت دیکھا۔ حتیٰ کہ ان کی آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا، وہ بھی خراب نہیں ہوا تھا۔[اسد الغابہ: ۲/ ۴۳]

ے زمیں میلی نہیں ہوتی زمین میلا نہیں ہوتا
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا

انجم نیازی صاحب نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

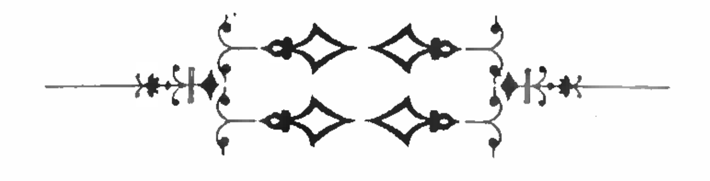
ے کاش میں اس کی وفا اور جانثاری دیکھتا
کاش میں اس کی محبت، بے قراری دیکھتا
کاش میں جنگِ اُحد میں ہوتا ان کے ساتھ ساتھ

اُس پہ چھائی تھی جو مستی مَیں وہ ساری دیکھتا
کس طرح اس نے بچایا سرورِ کونین کو
اس کے سینے پر لگے جو زخم کاری دیکھتا
تیر لگنے سے ہتھیلی کس طرح چھلنی ہوئی
کس طرح ہوا تھا اُس پر جوش طاری دیکھتا
زخم لگنے سے بدن پر تازہ پھولوں کی طرح
کس طرح چھاتی بنی بادِ بہاری دیکھتا
کس طرح کرتا محبت وہ نبی سے ٹوٹ کر
اس کی ہمدردی میں اس کی غمگساری دیکھتا
بیٹھتا کس طرح وہ محفلِ اصحاب میں
اس کا اخلاص و محبت ، اِنکساری دیکھتا
وہ نبی کے میکدے سے کس طرح پیتا شراب
اس کی شانِ مئے کشی اور بادہ خواری دیکھتا
کس طرح بخشا خدا نے اس کے چہرے کو وقار
اس کی صورت کس طرح اس نے نکھاری دیکھتا
کیسی حالت اس کی ہوتی تھی نبی کے سامنے
کاش میں آنکھوں میں نشہ اُس کی طاری دیکھتا
کس طرح آنسو ٹپکتے تھے خدا کے خوف سے
کیفیت اس پر یہ ہوتی کیسے طاری دیکھتا

کس طرح اُس کا ہوا ہوگا شہادت سے ملاپ
کاش اُس کو میں بوقتِ جاںنثاری دیکھتا
کس طرح اُس نے کیا تھا زندگی کا سامنا
کس طرح اُس نے ہر اِک ساعت گزاری دیکھتا
کس طرح وہ بچ کے نکلا نرغۂ شیطان سے
اُس کی میں کاریگری اور ہوشیاری دیکھتا
کس طرح روتا تھا راتوں کو خدا کے سامنے
کاش میں اُس کی مسلسل آہ و زاری دیکھتا
کس طرح کرتا تھا وہ ہر ایک قدم پر احتیاط
اُس کا تقویٰ اور میں پرہیزگاری دیکھتا

اللہ رب العزت نے حضرات صحابہ کرام کو ایسی پاکیزہ زندگیاں عطا فرمائی تھیں کہ ہمارے لیے وہ ایک مثال اور نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی سچی محبت عطا فرمائے اور جنت میں ان کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



6

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

عشرہ مبشرہ میں جو چھٹے خوش نصیب بزرگ ہیں، ان کا نام زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہے، یہ

نبی علیہ السلام کے خاندان میں سے تھے اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، نبی علیہ السلام کی ایک پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، یہ ان کے بیٹے تھے، لہٰذا نبی علیہ السلام کے ساتھ ان کا بہت قریبی تعلق تھا۔

والدہ کی اچھی تربیت:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بہت مضبوط شخصیت والی عورت تھیں، وہ بچپن میں اپنے بیٹے کو اچھی تربیت دیتی تھیں، چنانچہ چھوٹی سی غلطی ہوتی تھی تو بہت تنبیہ کرتی تھیں، بلکہ کئی مرتبہ پٹائی کرتی تھیں، اتنی پٹائی کرتی تھیں کہ رشتے دار بھی کہہ دیتے تھے کہ یہ کیسی ظالم ماں ہے جو بیٹے کو اتنا مار رہی ہے، وہ آگے سے جواب دیتی تھی کہ میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا مشکل حالات میں سے گزرے اور ایک مضبوط شخصیت بنے۔ چنانچہ ان کو دوڑنے بھاگنے کے لیے کہتی تھیں اور اپنے بیٹے کو انھوں نے ایک طرح سے پہلوان ہونے کی تربیت دی تھی، لہٰذا زبیر رضی اللہ عنہ بچپن سے بہت مضبوط تھے اور مشکلات سے نمٹنا جانتے تھے۔ (الاصابہ، ج ۲، ص ۵۵۴)

قبول اسلام:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو ان کی عمر پندرہ سال تھی اور جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو ان کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

سب سے پہلے تلوار اُٹھانے کا شرف:

مکہ مکرمہ میں کفار نے ایک دفعہ یہ مشہور کر دیا کہ نبی علیہ السلام کو گرفتار کر لیا گیا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ جب مسلمان ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے، جس پہ ظلم ہوتا تھا

وہ اکیلا ہی اس ظلم کو برداشت کرتا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اٹھتی جوانی تھی، جب نبی علیہ السلام کے بارے میں سنا کہ قریش مکہ نے ان کو گرفتار کرلیا ہے تو یہ اپنے گھر سے ننگی تلوار لے کر نکلے کہ میں یا تو آج کسی کو ماردوں گا یا مرجاؤں گا، لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے جیتے جی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کریں؟

چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلام میں یہ پہلی تلوار تھی جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اٹھائی تھی، اس سے پہلے کسی نے اسلام کی خاطر تلوار نہیں اٹھائی تھی۔ یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے، اتنی نڈر شخصیت، اتنی شجاعت والی اور اتنی دلیر شخصیت تھے، ان کو پتہ تھا کہ ہم تھوڑے ہیں، ان کو پتہ تھا کہ ہر کسی پہ ظلم ہورہا ہے اور ہر بندہ برداشت کررہا ہے، لیکن اس ماحول میں تلوار لے کر نکل آنا اور مرنے مارنے پہ تل جانا یہ ان کے جذبے کی قوی دلیل ہے۔ (اسد الغابہ، ج۱ص ۳۷۸)

تمام غزوات میں شرکت:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں نبی علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ غزوۂ بدر میں، غزوہ اُحد میں اور غزوۂ خندق میں بھی ساتھ تھے، بلکہ غزوۂ خندق میں ایک کافر کسی طرح خندق کو عبور کر کے آگیا تھا اور چاہتا تھا کہ نبی علیہ السلام پر حملہ کرے، لیکن جیسے ہی زبیر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو یہ اس کی طرف گئے اور جا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج۱ص۵۱)

غزوۂ بدر و اُحد میں شجاعت کے جوہر:

غزوہ بدر میں انہوں نے شرکت کی اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ غزوۂ اُحد میں انہوں نے کافروں کا ایسا مقابلہ کیا کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ زبیر رضی اللہ عنہ اکیلے نے گیارہ

آدمیوں کا کام کیا ہے، یعنی اگر کسی جگہ پہ گیارہ آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی جائے تو جو کام وہ کرتے ہیں اتنا کام اکیلے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

بدر میں لگنے والا زخم:

بدر کے میدان میں ان کو ایک گہرا زخم لگا تھا اور وہ بھی گردن کے اوپر، گردن نازک جگہ ہے، یہ اتنا گہرا زخم تھا کہ گوشت نکل گیا تھا، گھر کے بچے ان کے زخم کی گہرائی کی وجہ سے اندر انگلی ڈال کے اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، اتنا گہرا زخم تھا۔

(الاصابہ، ج ۲، ص ۵۵۶)

نبی علیہ السلام نے ان کا نیزہ تبرک کے لیے مانگا:

بدر کے میدان میں انہوں نے ایک کافر کو نیزے سے مارا، جس پر نبی علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نیزہ تم مجھے دے دو، میں اسے اپنے پاس یادگار کے طور پہ رکھوں گا۔

اب یہ ایک عجیب سی بات ہے، کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نیزے کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر وہ نیزہ خلفائے راشدین میں بطور یادگار کے چلتا رہا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو ان سے زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے باپ کی نشانی ہے اور نبی علیہ السلام کی بھی نشانی ہے، اگر مجھے اس کو رکھنے کی سعادت مل جائے تو میں اپنے گھر میں رکھ لوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نیزے کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا تھا۔

بدر میں فرشتوں کا عمامہ زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا تعارف بہت تھوڑا ہے، اکثر لوگ ان کی شخصیت کے بارے

میں نہیں جانتے۔غزوۂ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے زرد عمامہ باندھا ہوا تھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا: آج فرشتوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح کے عمامے باندھے ہوئے ہیں۔یعنی ان کا عمامہ اللہ کو اتنا پسند آیا کہ فرشتوں نے ان کی طرح کے عمامے باندھے۔(الاصابہ،ج۲،ص۵۵۵)

نبی علیہ السلام کے جنت میں حواری:

غزوۂ خندق میں نبی علیہ السلام نے تین مرتبہ پوچھا کہ دشمن کی خیر خبر کون لے کر آئے گا؟ تو ہر مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کھڑا کیا۔اس موقع پر نبی علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا:

(إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَ الزُّبَيْرُ بْنُ العَوَام)

(ترمذی،حدیث:۳۷۴۵)

''بے شک ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے،اور میرا حواری زبیر ہے۔''

میرے ماں باپ تجھ پر قربان:

ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے خوش ہو کر ان کو فرمایا:

(فِدَاكَ اَبِي وَ اُمِّي)(الاصابہ،ج۲،ص۵۵۵)

''(زبیر!) تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں۔''

کتنی سعادت کی بات ہے کہ وہ کوئی ایسا عمل کریں کہ جس عمل پہ خوش ہو کر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ لفظ نکلیں:

(فِدَاكَ اَبِي وَ اُمِّي)

''(زبیر!) تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں۔''

(الاصابہ،ج۲،ص۵۵۵)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیشہ:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ زمیندار تھے، کاشت کار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی کاشت کاری میں بہت برکت دی تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وراثت:

چنانچہ ان کے پاس اتنا مال تھا کہ جب فوت ہوئے تو ان کی چار بیویاں تھیں اور ہر بیوی کو بارہ لاکھ دینار وراثت میں ملے۔ (صحیح بخاری، حدیث ۳۱۲۹)

مال کے باوجود فقیرانہ زندگی:

اتنے امیر ہونے کے باوجود ان کی جو اپنی زندگی تھی وہ فقیرانہ تھی، ان کی شخصیت کی خصوصی بات یہ ہے کہ اتنا مال پیسہ ہونے کے باوجود اتنی فقیرانہ زندگی گزارنا اور موت سے اتنا بے خوف ہو کر زندگی گزارنا یہ عجیب چیز ہے۔

عام طور پر دیکھا ہے کہ جس بندے کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے اس کے اندر اور کوئی کمزوری آئے یا نہ آئے، ایک کمزوری ضرور آتی ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتا، وہ موت سے ڈرتا ہے۔ وہ بھلا کیوں مرے گا جب ہر خواہش پوری ہوتی ہے؟ وہ تو جینا چاہے گا، وہ کیوں مرے گا؟ اس کو موت سے ڈر لگتا ہے، مگر یہ وہ امیر تھے کہ جن کو موت سے بالکل ڈر نہیں تھا، بالکل خوف نہیں تھا، وہ بے خوف و خطر ایسی جگہوں پہ چلے جاتے تھے جہاں پہ موت جھانک رہی ہوتی تھی۔

دو ہجرتوں کا شرف:

یہ ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں، پہلے انہوں نے حبشہ کی

طرف ہجرت کی اور دوبارہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔
(الاصابہ، ج۲،ص۵۵۴)

مدینہ میں انصاری بھائی:

جب مدینہ ہجرت کی تو نبی علیہ السلام نے ان کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مواخات میں بھائی بنادیا۔ (کنز العمال، رقم:۳۶۶۳۲)

کفارہ مجلس کی روایت:

ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا: اے اللہ کے حبیب! ہم آپ کے علاوہ دوسری مجالس میں بیٹھتے ہیں تو ہم آپس کی باتیں کرتے ہیں، کام کاروبار کی باتیں کرتے ہیں، شاید ہم سے کوئی غلطی کوتاہی ہوجاتی ہو تو اس کا کفارہ کیا ہوسکتا ہے؟ اس پر ان کو نبی علیہ السلام نے یہ دعا بتائی کہ آپ کو یہ دعا پڑھ لینی چاہیے:

(سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمدِكَ نَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ نَستَغفِرُكَ وَنَتُوبُ اِلَيكَ)

جو بندہ یہ دعا پڑھ لے گا تو مجلس میں اگر کوئی غلطی بھی ہوئی ہوگی اس کا یہ کفارہ بن جائے گا۔ چنانچہ امت کو یہ جو مجلس کے کفارے کی دعا ملی یہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ملی۔ (المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث:۹۷۰)

شہادت کی خوش خبری:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ایک پہاڑ پر تھے تو کئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے، پہاڑ ہلنے لگا تو نبی علیہ السلام نے پہاڑ کو کہا: اے پہاڑ! رک جا، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور باقی شہداء ہیں۔ اس وقت وہاں نبی علیہ السلام بھی تھے، سیدنا صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ چھ حضرات تھے، یہ سب ان شہدا میں تھے جن کو زندگی میں نبی علیہ السلام نے شہادت کی خوش خبری عطا فرمادی تھی۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۴۱۷)

اُحد میں والدہ کو سنبھالا: (۱)

اُحد کے میدان میں جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ میرے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں تو وہ ان کی لاش کو دیکھنے کے لیے آئیں۔ نبی علیہ السلام نے دور سے دیکھا کہ کوئی عورت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب جا رہی ہے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: کون ہے اس عورت کو روکنے والا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قریب تھے، انہوں نے پہچان لیا کہ یہ میری والدہ ہیں، وہ کہنے لگے: حضرت! میں ان کو روکتا ہوں۔ چنانچہ وہ تیز بھاگے اور اس سے پہلے کہ وہ لاش تک پہنچتیں وہ اپنی والدہ کے قریب پہنچ گئے اور جا کر کہا کہ امی! آپ آگے نہیں جاسکتیں، آپ یہیں پہ رک جائیں۔ ماں بھی مضبوط شخصیت والی تھیں، وہ کہنے لگیں: زبیر! یہ زمین تو نے اپنی ملکیت میں لی ہوئی ہے کہ تیری اجازت کے بغیر قدم نہیں اٹھا سکتے؟ انہوں نے کہا: اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ آگے نہیں جاسکتیں۔ وہ وقت غم کا تھا، غصے کا تھا، جذبات کا تھا، لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن نے یہ بات سمجھ رکھی تھی کہ ہماری فلاح نبی علیہ السلام کی اتباع میں ہے، لہٰذا صفیہ رضی اللہ عنہا کے بڑھتے قدم رک گئے اور وہیں پر کھڑی ہو گئیں، دل چاہتا تھا کہ میں جا کر بھائی کو دیکھوں، مگر انہوں نے نہیں دیکھا، کیونکہ نبی علیہ السلام نے منع فرما دیا۔ انہوں نے دو چادریں نکالیں اور کہا کہ یہ دو چادریں میں لائی ہوں، میرے بھائی کو ان

چادروں کے اندر کفن دیا جائے۔

اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے وہ دو چادریں لے لیں اور امی کو میں نے واپس بھیج دیا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کا وقت آیا تو میں نے وہ دو چادریں نکالیں، اتنے میں ایک صحابی نے کہا کہ ایک اور انصاری صحابی بھی قریب ہی ہیں جو شہید ہوئے پڑے ہیں، ہم نے ان کی لاش کو دیکھا تو کفار نے ان کی لاش کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا تھا جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ کیا تھا، اب ہمارے دل نے پسند نہیں کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو دو چادروں میں کفن دیا جائے اور اس انصاری صحابی کے لیے کوئی چادر ہی نہ ہو۔

فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ایک چادر ان کو دے دی اور ایک چادر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن دے دیا اور دونوں کو اس طرح دفن کر دیا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج۱، ص ۱۸۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیابت:

ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور حج پر نہیں جا سکے، اس بیماری میں ان سے کسی نے کہا کہ آپ کوئی اپنا نائب متعین کر دیں، انہوں نے اپنا وصی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو زیادہ پسند ہیں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ اللہ کی قسم! میرے نزدیک وہ اس لیے پسندیدہ ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ پسندیدہ تھے۔

(الاصابہ، ج۲، ص ۵۵۴)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے، وہ اپنے غلاموں کو محنت مزدوری کے لیے بھیجتے تھے اور جو پیسہ ان کا مہینے میں جمع ہوتا تھا اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر نہیں لگاتے تھے، بلکہ سارا پیسہ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ایک بندے کے پاس ایک ہزار بندوں کی کام کرنے والی ٹیم ہو، وہ ہزار بندے پیسہ کمائیں اور وہ سارے پیسے کو ہمیشہ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیں یہ کتنی بڑی سعادت کی بات ہے!!؟ (الاصابہ، ج ۲، ص ۵۵۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ مقابلہ:

چونکہ بہت مضبوط تھے تو ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ لگائی، جب دوڑ لگائی تو پہلی مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیت گئے۔ آگے بھی عمر رضی اللہ عنہ تھے، وہ کہنے لگے: اچھا! ایک دفعہ پھر دوڑیں، اب جب دوبارہ دوڑ لگائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیت گئے، دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا کہ اچھا! اللہ تعالیٰ نے ہمیں برابر کر دیا اور دونوں کو ''تِلْکَ بِتِلْکَ'' والی سنت پر عمل کرنے کا موقع مل گیا۔

(کنزالعمال، رقم: ۴۰۶۸۱)

اُحد میں سینے پر لگنے والے زخم:

ایک مرتبہ آپ اپنے کپڑے تبدیل کر رہے تھے، ایک اور آدمی بھی وہاں موجود تھے، جب انہوں نے تہبند باندھ لیا تو باقی جسم کے اوپر ان کی نظر پڑ گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے سینے کی طرف دیکھا تو آنکھ کی مانند ان کے سینے کے اوپر مجھے گڑھے نظر آئے، میں نے کبھی کسی کا سینہ ایسا نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا: زبیر!

تمہارے سینے کے اوپر آنکھ کی مانند بڑے بڑے گڑھے پڑے ہوئے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ یہ تیروں اور نیزوں کے نشان ہیں جو احد کے میدان میں نبی علیہ السلام کی حفاظت کرتے ہوئے مجھے لگے تھے، کوئی زخم مجھے نبی علیہ السلام کی صحبت کے بغیر نہیں لگا، جو بھی زخم لگا ہے ان کی موجودگی میں لگا ہے۔ (کنز العمال، رقم: 36639)

ایک مشرک کا مقابلہ:

ایک موقع پر ایک مشرک بلند جگہ پر اسلحہ لے کر چڑھ گیا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے پکارنے لگا۔ نبی علیہ السلام نے ایک شخص سے کہا کہ کیا آپ مقابلہ کریں گے؟ اتنے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کے سامنے کر رہے تھے اور یوں اظہار کر رہے تھے کہ میں مقابلے کے لیے تیار ہوں۔

جب نبی علیہ السلام کی ان پر نظر پڑی تو فرمایا: اے صفیہ کے بیٹے! کھڑا ہو اور اس کا مقابلہ کر۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس مشرک کے سینے پر چڑھ گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ (کنز العمال، رقم: ۳۶۶۲۱)

حنین میں نبی علیہ السلام کی حفاظت:

اسی طرح حنین کی لڑائی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بہادری کے جوہر دکھائے تھے، یہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی علیہ السلام کے قریب تھے اور دشمن کو قریب آنے سے روک رہے تھے اور نبی علیہ السلام کی حفاظت کر رہے تھے۔

یرموک میں صفوں کو چیرنا:

جنگ یرموک میں بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ جنگ یرموک میں ایک

صحابی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر آپ دشمن کی فوج کو چیر کر دکھائیں تو ہم آپ کو جانیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا دشمن کی فوج کی طرف کر دیا اور اتنا قتال کیا اتنا قتال کیا کہ پوری دشمن کی فوج کو چیر کر آگے دوسری طرف نکل گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ قتال کرتے ہوئے واپس اپنی جماعت کی طرف آ گئے، یہ اعزاز بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا کہ اکیلے بندے نے دشمن کی پوری صف کو چیر کر رکھ دیا۔ اس لڑائی میں ان کی گردن پر دوسرا گہرا زخم آیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلا زخم بدر کی لڑائی میں آیا تھا اور دوسرا زخم یرموک کی لڑائی میں مجھے لگا۔

مصر میں جان کی بازی:

مصر کی جب چڑھائی ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، فسطاط ایک شہر تھا جس میں دشمن محصور ہو کر رہ گیا تھا اور اُس نے قلعے کو بند کر لیا تھا، مسلمانوں نے کئی دن اس کا محاصرہ کیا، مگر قلعے کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے، مصری لوگ تیروں سے اور نیزوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جوش میں اٹھے اور کہنے لگے کہ آج میں اپنی جان مسلمانوں کے لیے قربان کرتا ہوں، یہ الفاظ کہے کہ آج میں اپنی جان مسلمانوں کے لیے قربان کرتا ہوں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ چلتے گئے چلتے گئے اور بالآخر قریب جا کر قلعے کی دیوار کے اوپر چڑھے، قلعے کی دیوار کے اوپر جتنے ان کے فوجی تھے ان کے ساتھ اکیلے لڑتے رہے، ان کو مارتے رہے اور بالآخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قلعے کا دروازہ کھول دیا، جب قلعے کا دروازہ کھل گیا تو فوج اندر داخل ہو گئی اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ چنانچہ فسطاط شہر کی فتح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

جنگ صفین کے مصلحین:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یہ دونوں وہ شخصیتیں تھیں کہ جنہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ میں کہا تھا کہ اماں! آپ چلیں اور ہم جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کروائیں، ہم صلح چاہتے ہیں، یہ صلح کروانے والے بزرگوں میں سے تھے، چنانچہ یہ وہاں جنگ صفین میں پہنچ گئے تھے اور طرفین سے بات کر لی تھی اور ان دونوں کو صلح کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی سے پرہیز:

اگلا دن ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے، ان کے مقابلے کے لیے کوئی نکل نہیں رہا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے کے لیے نکلے، جب دونوں قریب آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زبیر! تم میری ایک بات سنو۔ فرمایا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ تمہیں یاد ہے، فلاں موقع پہ میں اور آپ آپس میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ساتھ جا رہے تھے تو نبی علیہ السلام نے ہمیں دیکھ لیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! مجھے یاد ہے۔ تمہیں یاد ہے کہ نبی علیہ السلام نے پوچھا تھا: زبیر! تمہیں علی سے اتنی محبت ہے کہ تم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس طرح ساتھ چل رہے ہو؟ آپ نے کہا تھا: ہاں! مجھے علی سے اتنی محبت ہے۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا: ایک وقت آئے گا تم ناحق علی کے ساتھ لڑائی کرو گے۔ زبیر! تمہیں یاد آ رہا ہے؟ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! مجھے یاد آ رہا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لڑنا ترک کر دیا اور وہیں سے واپس آ گئے، آپ نے

ارادہ کیا کہ میں مدینہ واپس چلا جاتا ہوں، لہٰذا آپ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ ایک جگہ پر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور سو گئے۔ اتنے میں عمرو بن جرموز بد بخت آیا اور اس نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ (تاریخ ابن الوردی، ج ۱، ص ۱۴۹)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خراجِ عقیدت:

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

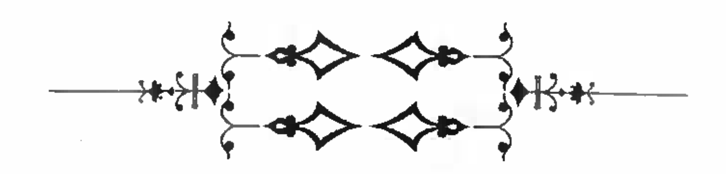
تیری نظروں کے مے خانے نبی سمجھیں نبی جانیں
اٹھا لیتے ہیں وہ قدسی چھلکتے ہیں جو پیمانے
تیری خوشبو سے دامن کو چلے آتے ہیں مہکانے
وہ ہیں تیری یادوں سے کئی آباد ویرانے
کروڑوں تیرے عاشق ہیں کروڑوں تیرے دیوانے
تیری مے سے چھلکتے ہیں دلوں کے سارے مے خانے
تیری مرقد پہ آتے ہیں فرشتے پھول برسانے
میری آنکھیں ہیں دیوانی تیرے ہیں نین مستانے
جو تجھ سے لاتعلق ہیں وہ دل ہیں گویا ویرانے
فرشتے کتنے آئے تھے تیری میت کو دفنانے
خوشی سے حوریں آئی تھیں تیری زلفوں کو سلجھانے
خیال آیا ہے پھر تیرا میرے اس دل کو بہلانے
تیری خاطر ہی توڑے ہیں تمناؤں کے پیمانے
چھلکتے ہیں تیری خاطر میری دو نین مستانے

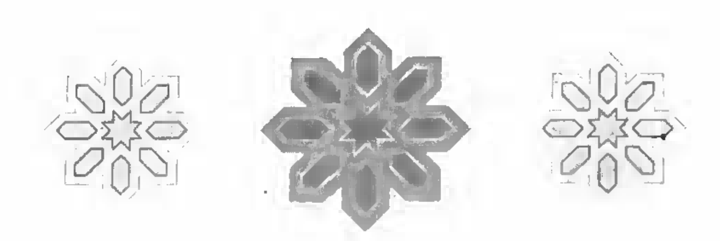
انہیں پھر آ کے بھر دیجیے ہیں خالی دل کے پیمانے
تیرا عاشق سمجھتے ہیں مجھے کچھ لوگ ان جانے
بھرے رہتے ہیں یادوں سے تیری خوشبو کے پیمانے
تیری یادوں سے رہتے ہیں میرے آباد ویرانے
میرے ہر دکھ کو تو سمجھے میرے ہر دکھ کو تو جانے
میری خواہش کہ محشر میں میرا چہرہ تو پہچانے

میری یہ تمنا ہے کہ محشر کے دن آپ مجھے پہچانیں اور مجھے آپ کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے قدموں میں اللہ کے سامنے پیش ہونا نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہستیوں کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے جن کو اللہ نے دنیا کے اندر نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی خوش خبری عطا فرمادی تھی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



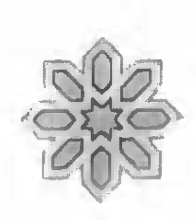
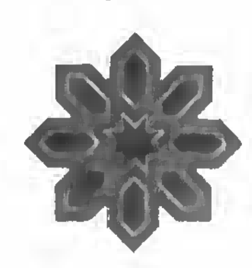
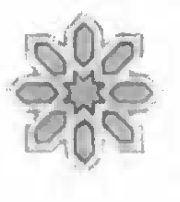


وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ

مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

7

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسم گرامی: (۱)

عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ایک اور خوش نصیب صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام ''عبد الکعبہ'' تھا، جب اسلام لائے تو نبی علیہ السلام نے

ان کا نام ''عبدالرحمٰن'' رکھ دیا۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۱۰۵]

سنِ پیدائش:

آپ کی پیدائش عام الفیل (یعنی جس سال ابرہہ نے خانہ کعبہ پہ چڑھائی کی تھی) کے 10 سال بعد ہوئی۔ [اسد الغابہ: ۲/۲۰۸]

قبولِ اسلام:

آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دارِ اَرقم میں ابھی پناہ نہیں لی تھی۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۱۰۵]

امتیازات:

- ...... آپ اُن 8 حضرات میں سے ایک ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، یعنی ''سابقین اوّلین'' میں سے ہیں۔ [اسد الغابہ: ۲/۲۰۸]
- ...... نیز آپ ان 5 خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ [ایضاً]
- ...... نیز آپ رضی اللہ عنہ ان 6 خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کا ممبر بنایا کہ یہ خلافت کے اہل ہیں، لہٰذا مشورہ کے بعد ان میں سے کسی ایک کو چن لیا جائے۔ [اسد الغابہ: ۲/۲۰۹]

لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ پانچ میں بھی تھے، 6 میں بھی تھے، 8 میں بھی تھے اور 10 یعنی ''عشرہ مبشرہ'' میں سے بھی تھے۔

بہترین فضیلت کے حامل:

ان کے فضائل میں جو سب سے بہترین فضیلت ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ ان کے پیچھے

نبی علیہ السلام نے ایک رکعت نماز بھی ادا فرمائی۔

عمرو بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ کسی نے ان سے پوچھا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس امت میں کوئی اور بھی ایسا شخص ہوا ہے جس کی امامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! (پھر تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا):

ایک دفعہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کسی سفر میں تھے، فجر کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے خیمے کا دروازہ بجایا، میں سمجھ گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑا، ہم چلتے چلتے لوگوں سے دور چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور قضاء حاجت کے لئے چلے گئے اور میری نظروں سے غائب ہو گئے، اب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور فرمایا: مغیرہ! تم بھی اپنی ضرورت پوری کرلو۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس وقت حاجت نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! اور یہ کہہ کر میں وہ مشکیزہ لانے چلا گیا جو کجاوے کے پچھلے حصے میں لٹکا ہوا تھا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی لے کر حاضر ہوا اور پانی ڈالتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دونوں ہاتھ خوب اچھی طرح دھوئے، پھر چہرہ دھویا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بازوؤں سے آستینیں اوپر چڑھانے لگے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شامی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں اس لئے وہ اوپر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ نیچے سے نکال لئے اور چہرہ اور ہاتھ دھوئے، پیشانی کی مقدار سر پر مسح کیا......، موزوں پر مسح کیا اور واپسی کے لئے سوار ہو گئے۔

جب ہم لوگوں کے پاس پہنچے تو نماز کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر ایک رکعت پڑھا چکے تھے اور دوسری رکعت میں تھے۔ میں انہیں بتانے کے لئے جانے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے روک دیا اور ہم نے جو رکعت پائی وہ تو پڑھ لی اور جو رہ گئی تھی اسے (سلام پھرنے کے بعد) ادا کیا۔

[مسند احمد، رقم: ۱۸۱۳۴]

یوں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی نماز کی ایک رکعت کی امامت کروانے کا شرف نصیب ہو گیا۔

مال و دولت اور علم و فضل ایک ساتھ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اگرچہ اللہ نے ان کو صاحبِ مال اور صاحبِ ثروت بنایا تھا، مگر اس کے باوجود ان کے اندر علم بھی تھا، خشیت بھی تھی اور وہ بہادر بھی تھے۔

مال کے وبال سے محفوظ:

جب کسی بندے کے پاس مال آتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ وبال بھی آتا ہے، اور کم سے کم وبال یہ ہے کہ بندے کا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کی ہر ضرورت دنیا میں پوری ہو رہی ہو، اس کی مرضی سے اس کا ہر کام ہو رہا ہو تو وہ کیوں مرے گا؟ وہ تو چاہے گا کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں... عیش کروں... کاریں ہیں، بہاریں ہیں... روٹی ہے، بوٹی ہے... تو ایسے بندے کو موت سے ڈر لگتا ہے، مگر یہ وہ صحابی تھے

کہ اتنا مال ہونے کے باوجود بھی موت سے نہیں ڈرتے تھے اور آپ نے اسلام پر بے دریغ مال خرچ کیا۔

وراثت کی مالیت:

مال و دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات کے بعد ان کی وراثت کے سونے کو لکڑی کاٹنے والے کلہاڑوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے۔ جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ [اسد الغابہ: ۲/ ۲۱۱]

اب آپ اندازہ لگا لیجیے کہ لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے سے اگر سونے کو توڑنے کی ضرورت پیش آئے تو کتنا سونا ہوگا!

بیویوں کا میراث میں سے حصہ:

آپ رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں، ہر بیوی کو وراثت میں اَسّی اَسّی ہزار دینار ملے۔

[اسد الغابہ: ۲/ ۲۱۱]

بیوی کو وراثت کا آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ جب آٹھواں حصہ اتنی بڑی مالیت کا تھا تو اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پوری وراثت کتنی ہوگی!

بدری صحابہ کے لیے ہدیہ:

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے وصیت کی کہ جتنے بدری صحابہ اس وقت موجود ہیں، میری طرف سے ان میں سے ہر ایک کو چار چار سو دینار ہدیہ پیش کیا جائے۔ اس وقت 100 بدری صحابہ موجود تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو 400 دینار ہدیہ پیش کیا گیا۔ چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابہ میں سے تھے، لہٰذا انہوں نے بھی اپنا

حصہ وصول کیا۔[اسد الغابہ:۲/۲۱۱]

چالیس ہزار دینار تو یہ ہو گئے جو انہوں نے ایک ہی دن میں تقسیم کروا دیے۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان کے مال سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچایا۔

آپ کے انصاری بھائی:

آپ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں، پہلے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ایک انصاری صحابی تھے جو امیر انصاری کہلاتے تھے، ان کا نام سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ تھا۔ نبی علیہ السلام نے ان کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی مواخات قائم فرما دی کہ دونوں ایک لیول کے بندے ہیں، ان کا آپس میں بھائی چارے کا رشتہ اچھا رہے گا۔[اسد الغابہ:۲/۲۰۸]

انصاری بھائی کی آفر:

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن بن عوف! میرے پاس جتنا مال ہے، اس میں سے نصف میں اپنے پاس رکھتا ہوں اور دوسرا نصف آپ لے لیں، نیز میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جس کے بارے میں آپ کہیں، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت کے بعد آپ نکاح کر لینا، مگر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تمہارے مال اور عیال کو تمہارے لیے مبارک کرے، میرے ساتھ اتنا بھلا کرو کہ مجھے بازار کا راستہ دکھا دو۔[ایضاً]

بزنس کا آغاز:

چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور بہت تھوڑے پیسوں سے کام شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پیسوں میں اتنی برکت دی کہ تھوڑے دنوں میں انہوں نے

زمین خرید لی اور Agriculture (زراعت) کا کام شروع کر دیا۔ پھر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں ہی رحمتیں ہو گئیں۔

کاروبار میں برکت:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کاروبار میں اللہ نے بہت برکت رکھ دی تھی۔

مدینہ میں نکاح:

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس حال میں آئے کہ ان پر زردی کا اثر تھا۔ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اسے مہر کتنا دیا ہے؟ کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ'' [صحیح بخاری، رقم:۲۰۴۸]

''تم ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہی کیوں نہ ہو۔''

نبی علیہ السلام کے فرمانے پہ انہوں نے ولیمہ کیا اور یوں ان کی ازدواجی زندگی کا سلسلہ شروع ہوا۔

لشکر کی روانگی میں معاونت:

نبی علیہ السلام نے ایک لشکر روانہ کرنا تھا، مگر وسائل نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو صدقہ کی ترغیب دی۔ چنانچہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے پاس 4 ہزار درہم ہیں، اُن میں سے 2 ہزار راہِ خدا میں پیش کرتا ہوں اور بقیہ 2 ہزار اپنے بیوی بچوں کے لیے رکھتا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَعطَيتَ، وَ بَارَكَ لَكَ فِيمَا أَمسَكتَ.'' [مسند البزار، رقم:۸۶۷]

"اللہ تیرے عطا کردہ مال میں برکت عطا فرمائے اور باقی ماندہ مال میں بھی۔"

یعنی جو مال تُو نے دیا ہے اس میں بھی اللہ برکت عطا فرمائے اور جو تیرے پاس بچ گیا ہے اس میں بھی برکت عطا فرمائے۔ نبی علیہ السلام کی اسی دعا کی بدولت اللہ نے ان کے مال میں برکت عطا فرما دی تھی۔

مال داری کے باوجود شوقِ علم:

پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک ایسا گروپ تھا جن کا محبوب مشغلہ نبی علیہ السلام کی صحبت میں وقت گزارنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنا اور آپ سے دین سیکھنا تھا۔

چنانچہ ان میں سے کوئی نہ کوئی صحابی دین سیکھنے کے لیے موجود رہتے تھے۔ بقیہ میں سے جو کوئی کسی ضرورت سے کہیں چلے جاتے تو واپس آنے پر دوسرے صحابی ان کو بتا دیتے تھے کہ آپ کے جانے کے بعد نبی علیہ السلام نے یہ بات سکھائی۔ ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اتنا مال و دولت ہونے کے باوجود یہ شوق ہونا کہ میں نبی علیہ السلام کی صحبت میں رہوں اور آپ سے دین سیکھوں، یہ ایک انوکھی چیز ہے۔

نبی علیہ السلام کے ساتھ والہانہ عشق:

ایک دفعہ نبی علیہ السلام انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہو لیے، نبی علیہ السلام نے وہاں جا کر ایک سجدہ کیا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ انتظار کرتے رہے۔ یہ سجدہ اتنا لمبا تھا، اتنا لمبا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو شک گزرنے لگا کہ کہیں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ نہ فرما لیا ہو۔ گھبرا کر قریب آئے تو نبی علیہ السلام نے سر مبارک اُٹھا کر پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، نبی علیہ السلام

نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

''مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ.''

''جوآپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جوآپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔''

چونکہ اللہ نے یہ خوشخبری عطا فرمائی، اس لیے میں نے شکرانے کا لمبا سجدہ کیا۔

[مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۶۶۲]

آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرشتوں کی مدد:

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُحد کے دن نبی علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: حارث! تمہیں عبدالرحمٰن بن عوف کا پتہ ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے حبیب! میں نے انہیں پہاڑ کے دامن میں اس حال میں دیکھا کہ مشرکوں کے ایک Group (گروہ) نے ان کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور وہ اکیلے اس گروہ کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ میں انہیں منع کرنے کے لیے آگے بڑھا، اچانک مجھے آپ نظر آئے تو میں آپ کی طرف چلا آیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ''

''(عبدالرحمٰن اکیلا نہیں، بلکہ) اللہ کے فرشتے بھی ان کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں۔''

حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو سیدھا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف چل پڑا۔ جب ان کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے 7 کافروں کی لاشیں پڑی تھیں، میں نے پوچھا: عبدالرحمٰن! ان سب کو آپ نے قتل کیا؟

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ان میں سے 2 کو تو میں نے قتل کیا ہے اور باقی 5 کو کسی نادیدہ شخص نے قتل کر دیا ہے۔ میں نے فوراً کہا:

''صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهٗ.'' [تاریخ دمشق:۵/۱۰]

''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔''

آپ اندازہ لگایئے کہ جن کے ساتھ اللہ کے فرشتوں کی مدد شامل حال ہو، وہ کتنی عظیم شخصیت ہو گی!!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہونے لگی تو انہوں نے چھ آدمیوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) کو منتخب کیا اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ہر بندہ خلیفۃ المسلمین بننے کے لائق ہے، اب یہ آپس میں مشورے سے کسی ایک کو چن لیں اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہئے۔

ابن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کے بعد دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی یصلہ نہ ہوا۔ آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہئے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو، اس کا نام لے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام لیا، جبکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا

کہ میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لئے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اوران دونوں میں سے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سنت شیخین رضی اللہ عنہما کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں، اس پر ان دونوں کی رضامندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر، لیکن مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

[بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمان ؓ، تاریخ طبری]

اُمہات المؤمنین کی مالی خدمت:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ! مجھے اس بات کی فکر ہے کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد تمہارا کیا ہوگا؟ یعنی کفالت کی ذمہ داری کون لے گا؟ بعد میں کسی موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک باغ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو ایسا مال (بطور ہدیہ) دیا تھا جو چالیس ہزار میں فروخت ہوا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے باپ یعنی عبدالرحمن بن عوف کو جنت کے چشمے سے سیراب کرے۔ [جامع ترمذی، رقم: ۳۷۴۹]

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ میں فروخت

ہوا۔[جامع ترمذی،رقم:۳۷۵۰]

دیکھیے! اللہ نے مال تو دیا تھا، مگر اس مال کا انہوں نے کتنا اچھا استعمال کیا کہ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے سروں سے معاش کی فکر ہی ہٹا دی۔

دل میں اللہ کا خوف:

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے گھر گیا، اس دن اُن کا روزہ تھا، جب ان کے سامنے افطاری کا کھانا لایا گیا تو کہنے لگے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل تھے، جب وہ فوت ہوئے تو ان کو کفن دینے کے لیے ایک ہی چادر تھی اور وہ بھی چھوٹی، اگر سر ڈھاپنتے تھے تو پاؤں ننگے رہ جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھاپنتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا... اور حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مجھ سے افضل تھے، ان کو بھی ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا... پھر ہم پر دنیا وسیع کر دی گئی اور ہمیں خوف ہوا کہ ہماری نیکیاں جلد دے دی گئیں۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا۔[صحیح بخاری،رقم:۱۲۷۵]

دیکھیں! پورا دن روزے سے رہے، مگر افطار کے وقت اچھے کھانے کو دیکھ کر اللہ کا ڈر پیدا ہو گیا اور انہوں نے رونا شروع کر دیا۔

علمی شان:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شام تشریف لے گئے اور اس سفر میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، جب مقام سرغ میں پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ.'' [صحیح بخاری، رقم:6673]

''تم جس زمین کے متعلق سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین میں وبا پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے فرار کے ارادہ سے نہ نکلو۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ سے واپس لوٹ گئے اور ابن شہاب سے بطریق سالم بن عبداللہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بناء پر واپس ہوئے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 6673)

یوں اللہ نے ان ہستیوں کی طاعون سے حفاظت فرمادی۔

صلہ رحمی میں پہل کرنے والے:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات ناخوشگوار تھے۔ اسی اثناء میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے بھائی عبدالرحمٰن! اللہ کی قسم، آپ مجھ سے اچھے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایسے نہ کہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: واقعی ایسی بات ہے۔ بخدا! اگر آپ بیمار ہوتے تو میں آپ کی عیادت کے لیے نہ آتا۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۷۰]

صلہ رحمی سے متعلق روایت:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''أَنَا الرَّحْمٰنُ وَهِيَ الرَّحِمُ، شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِن اسْمِي، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّتُّهُ.'' [سنن ابی داود، رقم: ۱۶۹۴]

''میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں (یعنی صفت رحمت کے ساتھ متصف ہوں)، میں نے

رحم یعنی رشتے ناتے کو پیدا کیا ہے اوراس کے نام کو اپنے نام یعنی رحمٰن کے لفظ سے نکالا ہے، لہٰذا جو شخص رحم کو جوڑے گا یعنی رشتہ ناتا کے حقوق ادا کرے گا تو میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص کے ساتھ) جوڑوں گا اور جو شخص رحم کو توڑے گا یعنی رشتے ناتے کے حقوق ادا نہیں کرے گا تو میں بھی اس کو (اپنی رحمت خاص سے) جدا کر دوں گا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک اہم مشورہ:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتظامی امور کے بارے میں لوگوں کو خطبہ دینا چاہتے تھے، ان کا ارادہ تھا کہ میں حج کے موقع پر یہ خطبہ دوں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قریب آئے اور کہا: امیر المومنین! میرا مشورہ ہے کہ آپ یہاں خطبہ نہ دیں، واپس مدینہ جا کر خطبہ دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ حج کے موقع پر دور قریب سے آئے ہوئے عام لوگوں کا مجمع زیادہ ہے، آپ انتظامی امور میں کوئی خطبہ دیں گے تو ممکن ہے یہ لوگ ردعمل دکھائیں جو کہ مناسب نہیں ہوگا، لہٰذا آپ مدینہ واپس جا کر یہ خطبہ دیں گے تو وہاں کبار صحابہ موجود ہیں، وہ آپ کی بات کو تسلیم کریں گے، اور جب صحابہ تسلیم کر لیں گے تو عوام الناس کا تسلیم کرنا کوئی مشکل نہیں رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورے کو پسند کیا اور ان کی فراست کی داد دی اور واپس آ کر مدینہ طیبہ میں ہی وہ تقریر فرمائی۔

ابہام رکعات والی حدیث کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں کوئی فرمان سنا ہے کہ آدمی کو نماز میں سہو ہو گیا تو وہ کیا کرے؟ میں نے عرض کیا کہ میں

نے اس بارے میں نبی علیہ السلام کی زبان سے کوئی بات نہیں سنی۔ پھر میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے بھی اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فرمان نہیں سنا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اسی دوران حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور پوچھا کہ تم دونوں کیا بات کررہے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو اس بارے میں حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے کیا بات سنی ہے؟ تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سنائی:

''إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ حَتَّى لَا يَدْرِي أَ زَادَ أَمْ نَقَصَ، فَإِنْ كَانَ شَكَّ فِي الوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ، فَلْيَجْعَلْهَا وَاحِدَةً، وَإِذَا شَكَّ فِي الثِّنْتَيْنِ أَوِ الثَّلَاثِ، فَلْيَجْعَلْهَا ثِنْتَيْنِ، وَإِذَا شَكَّ فِي الثَّلَاثِ وَالأَرْبَعِ، فَلْيَجْعَلْهَا ثَلَاثًا، حَتَّى يَكُونَ الوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ يُسَلِّمُ.''

[سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۶، ۵۷]

''جب تم میں سے کسی کو نماز میں سہو ہو جائے اور اسے یاد نہ ہو کہ میں نے کچھ رکعتیں زیادہ پڑھ لی ہیں یا مقررہ تعداد سے کوئی رکعت کم پڑھی ہے... چنانچہ اگر ایک یا دو میں شک ہو تو وہ ایک رکعت شمار کرے، اور جب دو یا تین میں شک ہو تو دو رکعتیں شمار کرے، اور جب تین اور چار میں شک ہو تو تین شمار کرے (یوں اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرے) اور (التحیات میں) بیٹھنے کی حالت میں سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے دو سجدے کرلے اور پھر (التحیات وغیرہ مکمل کر کے) سلام پھیر دے۔''

فقہی مقام: (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ایک آدمی نے مسئلہ پوچھا: حضرت!

ہم دو بندے آرہے تھے، ایک جگہ پر ہم نے ایک ہرن کو دیکھا تو احرام کی حالت میں اس کو شکار کرلیا، اب بتائیں کہ میرے اوپر کوئی دَم واجب ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے جو قریب کھڑا تھا، کہا: آؤ، ہم مل کر اس بارے میں فیصلہ کرتے ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بندے سے بات چیت کرنے لگے اور بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس بندے کو ایک بکری قربان کرنی پڑے گی، یعنی دَم دینا پڑے گا۔

جب اس بندے کو دَم دینے کے لیے کہا گیا تو وہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ویسے تو امیر المومنین بنے ہوئے ہیں، لیکن ایک مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کو تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ میں نے کس کے ساتھ مشورہ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، جو امین ہیں، جو عادل ہیں اور جن کی علمیت پر بڑے بڑے صحابہ کو بھی اعتبار ہے۔ کیا تم نے سورۃ المائدہ پڑھی ہے؟ اس نے کہا: میں نے نہیں پڑھی۔ فرمایا: اگر تُو نے پڑھی ہوتی تو میں تجھے سزا دیتا۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [المائدۃ:۹۵]

''جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ کار آدمی کریں گے۔''

لہٰذا جب قرآن کہہ رہا ہے کہ دو معتبر بندے مل کر فیصلہ کریں تو میں نے ایک معتبر بندے کو ساتھ لے لیا اور ہم دونوں نے قرآن پاک کی آیت پر عمل کر کے تمہارے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ (غوامض الاسماء المبھمۃ، ج ۲، ص ۵۷۰)

اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا فقہی مقام کیا تھا۔

سات سو اونٹ غلہ سمیت صدقہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی تھیں کہ مدینہ منورہ میں کہیں سے شور کی آواز سنائی دی، انہوں نے پوچھا: یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ شام سے آیا ہے اور اس میں ہر چیز موجود ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ قافلہ 700 اونٹوں پر مشتمل تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے:

''قَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بنَ عَوفٍ يَدْخُلُ الجَنَّةَ حَبْوًا.''

''میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔''

ایک ہوتا ہے تیز چل کے جانا، ایک ہوتا ہے چل کے جانا اور ایک ہوتا ہے Carolling (رینگنا)۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف Carolling کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے، یعنی مشکل سے جنت میں جائیں گے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو ان کے دل پر بڑا خوف سوار ہوا اور کہنے لگے کہ اگر میرے لیے ممکن ہوا تو میں کھڑا ہونے کی حالت میں ہی جنت میں داخل ہوں گا۔ اتنا کہا اور اونٹوں کا سارا سامان حتیٰ کہ رسیاں بھی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیں۔

[مسند احمد، رقم: ۲۴۸۴۲]

ریشم پہننے کی خصوصی اجازت:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو الرجی کی بیماری تھی، چنانچہ عام کپڑا پہنتے تو وہ

بیماری بڑھ جاتی تھی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے خصوصی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو ریشم کا لباس پہننے کی اجازت دی تھی۔ اس وجہ سے زیادہ تر ریشم کا کپڑا پہنتے تھے۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۱۱۰]

ایک دن میں 30 غلام آزاد:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں کثرت سے خرچ کرنے والے تھے۔ بعض مرتبہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیا کرتے تھے۔

[اسد الغابہ: ۲/۲۰۹]

غزوۂ اُحد میں چندہ:

غزوۂ اُحد کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے 200 اوقیہ چاندی بطور صدقہ پیش کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 100 اوقیہ اور حضرت عاصم انصاری رضی اللہ عنہ نے 9 وسق کھجور صدقہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے لگتا ہے کہ عبدالرحمٰن اپنے گھر والوں کو کنگال کر کے آ گیا ہے اور اپنے گھر والوں کے لیے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا۔ نبی علیہ السلام نے اُن سے پوچھا:

''هَلْ تَرَكْتَ لِأَهْلِكَ شَيْئًا؟''

''کیا تم نے کچھ اپنے اہل خانہ کے لیے بھی چھوڑا ہے؟''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''نَعَمْ، أَكْثَرَ مِمَّا أَنفَقْتُهُ وَ أَطْيَبَ.

جی ہاں، جتنا آپ نے خرچ کیا ہے، اس سے زیادہ اور بہتر۔

پوچھا: کتنا (چھوڑ آئے ہو)؟ عرض کیا:

''مَا وَعَدَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنَ الرِّزْقِ وَالْخَيْرِ.''

[تاریخ دمشق: ۲/۲۸، ۲۹]

جتنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رزق اور بھلائی کے بارے میں وعدہ کیا ہے۔

دومۃ الجندل کا ایک اعزاز:

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دومۃ الجندل کے لیے لشکر روانہ کرنا تھا تو نبی علیہ السلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا، اور اس کا شملہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹکا دیا اور فرمایا:

''إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيكَ فَتَزَوَّجِ ابْنَةَ مَلِكِهِمْ.'' [اسد الغابہ:۱/۷۰۸]

''اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس مہم میں فتح نصیب فرمائے تو تم ان کے سردار کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر لینا۔''

نبی علیہ السلام کی عجیب حکمت عملی:

یہ نبی علیہ السلام کی عجیب حکمت عملی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف دشمن قبیلوں کو قریب کرنے کے لیے یہ معاملہ فرمایا کرتے تھے کہ جس قبیلے پر فتح ہوتی تھی، اس کے سردار کی بیٹی سے خود نکاح فرما لیتے تھے۔

اب کیا ہوتا تھا کہ وہ قبیلہ نبی علیہ السلام کے ساتھ رشتے داری میں منسلک ہو جاتا تھا، پھر اس کے بعد وہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اُٹھاتا تھا۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے جو مختلف شادیاں فرمائیں، اگر آپ غور کریں تو ان شادیوں میں یہی حکمت تھی، ہر ہر شادی کے بدلے ایک ایک قبیلہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا دوست بن گیا اور انہوں نے لڑنا بند کر دیا۔

جب خیبر فتح ہوا تو نبی علیہ السلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، یہ ان کے بادشاہ کی بہو تھی، شہزادے کی بیوی تھی، چنانچہ اس کے بعد آخری وقت تک یہودیوں نے دوبارہ نبی علیہ السلام سے جنگ نہیں کی۔ یہی کامیاب پالیسی نبی علیہ السلام نے عبدالرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ کو بھی بتائی۔

اللہ کی شان کہ قبیلہ مسلمان ہوگیا، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس قبیلے کے سردار کی بیٹی سے نکاح کیا، انہی کے بطن سے آپ کے بیٹے ''ابوسلمہ بن عبدالرحمن'' کی ولادت ہوئی۔

[اسد الغابہ: ۱/ ۷۰۸]

مال کے باوجود صف اوّل کے نمازی:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کی امامت فرما رہے تھے تو ''فیروز'' نامی ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ پہ حملہ کیا، جو آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخموں کی وجہ سے گر گئے۔ ان کے پیچھے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ ایک شخص کے پاس اتنا مال ہو اور پھر وہ پہلی صف کا نمازی بھی ہو۔ یہ حیران کن معاملہ ہے۔ ورنہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے وہ عبادت کے معاملے میں سستی کرتے ہیں، آتے بھی ہیں تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں، لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دین اور دنیا کو اس طرح اکٹھا کیا کہ ایک طرف تو اتنے مال دار تھے اور دوسری طرف پہلی صف میں امام کے بالکل پیچھے نماز پڑھنے والے تھے۔

پہلے نماز، پھر دیگر معاملات:

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھے، اطمینان سے نماز مکمل ہوئی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُٹھایا۔

اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہیے کہ امیر المومنین کا خون نکل رہا ہے، وہ تڑپ رہے ہیں اور قوم پہلے نماز مکمل کرتی ہے بعد میں امیر المومنین کو Attend (دیکھ

بھال) کرتی ہے۔

وفات حسرت آیات:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پچھتر (75) سال کی عمر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ آپ کو طبعی موت آئی۔

نمازِ جنازہ اور تدفین:

آپ کی نمازِ جنازہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور روتے ہوئے کہہ رہے تھے:

''وَا جَبَلَاہْ!'' [اسد الغابہ: ۳/۲۱۱]

یعنی آج پہاڑ جیسی عظیم شخصیت وفات پا گئی!!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

جس دن آپ کی وفات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مندرجہ ذیل الفاظ کہتے ہوئے سنا گیا:

''اِذْهَبْ يَا ابنَ عوفٍ! أَدركْتَ صَفْوَهَا وَ سَبَقْتَ رَنْقَهَا''

[طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۴]

''اے عبدالرحمٰن بن عوف! جا، تُو نے دنیا کا صاف پانی پالیا اور گدلا چھوڑ دیا۔''

یعنی اللہ نے آپ کو اتنا زیادہ مال دیا تھا، مگر آپ نے دین کو قبول کر لیا اور جو دنیا کی زیب و زینت تھی، اس کو چھوڑ دیا۔

انجم نیازی کا خراجِ عقیدت:

انجم نیازی صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

عمامہ آپ کے سر پر سجایا کملی والے نے
ہمیشہ ''الامیں'' کہہ کر بلایا کملی والے نے
جدا ہونے لگے ہیں جب بھی آپ کملی والے سے
محبت سے گلے اپنے لگایا کملی والے نے
ملی ہے آپ کو جنت کی خوش خبری مدینے میں
یہ مژدہ آپ کو خود ہی سنایا کملی والے نے
ملی ہیں آپ کے ہاتھوں سے خیراتیں زمانے کو
خزانے بانٹنے والا بنایا کملی والے نے
رہا کھٹکا نہ کوئی آپ کو دین اور دنیا میں
غمِ دنیا و عقبیٰ سے چھڑایا کملی والے نے
کسی مشکل سے مشکل امتحاں کا بھی نہیں خطرہ
سبق ایسی مہارت سے پڑھایا کملی والے نے

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ایسا شاگرد تیار کیا کہ قیامت تک آنے والے امیر لوگ اگر دین پر چلنا چاہیں گے تو ان کی زندگی میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مثال سامنے رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں ان کے قدموں میں ہمیں بھی جگہ عطا فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

8

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

اس امت کے وہ دس خوش نصیب حضرات جن کو نبی علیہ السلام کی زبان مبارک سے

اسی دنیا میں جنتی ہونے کی خوشخبری مل چکی تھی، ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا نام سعد تھا اور کنیت ابواسحاق تھی۔ آپ کے والد کا اصل نام مالک تھا اور ابووقاص ان کی کنیت تھی اور والدہ کا نام حمنہ تھا۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنوزہرہ سے تھا جو کہ قبیلہ قریش کی ہی ایک شاخ تھی، جبکہ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلہ بنوامیہ سے تھا۔ (اسد الغابہ، سیر الصحابہ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نبی علیہ السلام سے رشتہ داری:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے والد ابووقاص اور نبی علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپس میں چچازاد بہن بھائی تھے۔ اسی نسبت کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے ماموں لگتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت یعنی کلاب بن مرہ پہ جا کر نبی علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ (اسد الغابہ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پیدائش اور حلیہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تیس سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ آپ کا قد چھوٹا اور جسم موٹا اور خوبصورت تھا۔ ہتھیلیاں بہت کشادہ تھیں، ناک چپٹی تھی، جسم بہت زیادہ بالوں والا تھا اور آپ اپنے بالوں پر خضاب لگایا کرتے تھے۔ (اسد الغابہ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صلاحیتیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تربیت بڑے عمدہ طریقے سے ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں بھی آپ ان لوگوں میں شامل تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تیراندازی اور فنون جنگ میں بھی بہت ماہر تھے۔ (اسد الغابہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات میں شامل ہیں جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت اور ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد بالغ آزاد لوگوں میں سے تیسرے نمبر پر مسلمان ہوئے، (مظاہر حق جدید) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد پورے سات دن تک کسی بالغ اور آزاد فرد نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ (بخاری، البدایہ والنہایہ)

قبول اسلام کا واقعہ:

ان کے مسلمان ہونے کا واقعہ بہت عجیب ہے کہ مسلمان ہونے سے تین راتیں پہلے انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ایک خوفناک اندھیرے سمندر میں ڈوبتے جارہے ہیں اور اس تاریک سمندر کی موجوں میں ہچکولے کھا رہے ہیں۔ اس دوران اچانک انہیں نظر آیا کہ ایک چاند چمک رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ چاند کی طرف لپکے تو دیکھا کہ کچھ اور لوگ پہلے سے چاند کے قریب پہنچے ہوئے ہیں اور وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی دینا چاہتے ہیں اور میری رہنمائی کر کے کفر کے اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس خواب کے ٹھیک تین دنوں کے بعد آپ نبی علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور مسلمان ہو گئے، اس وقت نبی علیہ السلام محلہ اجیاد کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما

تھے۔(اسد الغابہ)

قبول اسلام پر والدہ کا ردِّ عمل:

جب آپ کی والدہ محترمہ کو آپ کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تک تو اسلام کو نہیں چھوڑے گا میں ہرگز کچھ نہیں کھاؤں گی اور نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی پیاسی مرجاؤں گی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بار بار التجا کرتے رہے لیکن وہ اپنی ضد پر ڈٹی رہی اور کچھ نہ کھایا پیا۔ آخر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے والدہ سے فرمایا کہ: اللہ کی قسم! اگر تیرے جسم میں ہزار جانیں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے تیرے بدن سے نکل جائیں میں پھر بھی اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس جرأت مندانہ اور فیصلہ کن بات پر قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان:15)

''اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات مت مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔'' (اسد الغابہ)

جنتی ہونے کی بشارت:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتے ہو تو ابھی جو شخص تمہاری مجلس میں شامل ہوگا اس کو دیکھ لینا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اگلے دن

نبی علیہ السلام نے پھر صحابہ سے یہی بات ارشاد فرمائی، اس دن بھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ تیسرے دن پھر نبی علیہ السلام نے یہی بات ارشاد فرمائی اور تیسرے دن بھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس مجلس میں تشریف لائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی کہ آخر ان کا کون سا ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے ان کو نبی علیہ السلام بار بار جنتی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس تین راتیں گزاریں، لیکن ان کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا خاص عمل نظر نہ آیا جو ظاہراً اس بشارت کا سبب ہو۔ آخر کار انہوں نے نبی علیہ السلام کی بشارت کے متعلق بتایا اور پوچھا کہ آپ کا ایسا کون سا عمل ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی برائی نہیں پاتا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی برائی کا ارادہ رکھتا ہوں اور نہ میں اس کی کوئی بری بات کہتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ)

شعب ابی طالب میں حالات:

جب قریش کے لوگوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ معاشی بائیکاٹ کیا تو نبی علیہ السلام تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے، صحابہ کرام پر بڑی تنگی کے حالات گزرے، حتیٰ کہ درختوں کے پتے چبا کر گزارا کیا کرتے تھے۔ اس محصوری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ تھے اور آپ نے بھی وہاں بہت تنگی اور بھوک کے حالات برداشت کیے۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو مجھے سوکھے چمڑے کا ایک ٹکڑا مل گیا، میں نے اسے پانی سے دھو کر صاف کیا، پھر آگ پر بھون لیا، پھر کوٹ کر پانی میں گھول

کر ستو کی طرح پی لیا تا کہ میری بھوک مٹ سکے۔ (اسد الغابہ)

ہجرت اور مواخات:

باقی صحابہ کرام کی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی، تاہم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ نبی علیہ السلام نے مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مواخات قائم فرما دی جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔

(البدایہ والنہایہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی دو بڑی سعادتیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اللہ نے دو بہت بڑی سعادتوں سے نوازا جو تمام صحابہ میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ راہ اسلام میں اللہ کے لیے سب سے پہلے دشمن کا خون انہوں نے بہایا، ہوا یہ کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک گھاٹی میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے کہ ان کو دیکھ کر مشرکین نے تمسخر کیا اور ان کا مذاق اڑایا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مردہ اُونٹ کے شانے کی ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کو ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔

(اسد الغابہ)

دوسری سعادت یہ کہ اسلام کی راہ میں سب سے پہلا تیر انہوں نے چلایا، اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ماہ شوال سن ایک ہجری میں ایک سریہ عبیدہ بن حارث پیش آیا، جس میں نبی علیہ السلام نے ساٹھ آدمیوں کو بھیجا، لیکن ان ساٹھ صحابہ میں سے کوئی صحابی انصار میں

سے نہیں تھا بلکہ تمام مہاجرین تھے۔ اس سریہ میں اگر چہ لڑائی کی نوبت تو نہیں آئی، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قریش کی طرف تیر چلا ہی دیا۔ لہٰذا سب سے پہلے دشمن کا خون بھی انہوں نے بہایا اور سب سے پہلا تیر چلانے کی سعادت بھی ان کے حصے میں آئی۔ (البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، مظاہر حق جدید)

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

ماہ ذی قعدہ سن ایک ہجری میں سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی پیش آیا، جس میں نبی علیہ السلام نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سفید رنگ کا پرچم دے کر خرار کی طرف بھیجا۔ چونکہ اس سریہ کے سربراہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اس لیے اس سریہ کا نام سریہ سعد بن ابی وقاص مشہور ہو گیا، اس سریہ میں علم بردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔

(البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، مظاہر حق جدید)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی کا شوق جہاد:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی بہت بہادر اور شوق جہاد سے لبریز تھے، غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بھی جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ جب نبی علیہ السلام نے دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو، لہٰذا ابھی آپ کو جانے کی اجازت نہیں۔ نبی علیہ السلام کے منع فرمانے پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے، ان کی یہ حالت دیکھ کر نبی علیہ السلام کو ترس آ گیا اور ان کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ اللہ کی شان کہ یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اسی غزوہ میں ان کی شہادت ہو گئی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کو سرزمین بدر میں دفن

کر دیا اور اکیلے مدینہ طیبہ واپس لوٹے۔ (الاصابہ)

غزوہ اُحد میں شجاعت کے جوہر:

غزوہ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کو کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ صحابہ کرام نبی علیہ السلام کی حفاظت کر رہے تھے، ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے اور بڑی مہارت اور بڑی سرعت کے ساتھ تیر چلاتے تھے۔ چنانچہ غزوہ اُحد میں نبی علیہ السلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے تقریباً ایک ہزار تیر چلائے۔ (اسد الغابہ)

آپ کا اپنا ترکش جب تیروں سے خالی ہو گیا تو نبی علیہ السلام کے ترکش سے لے کر تیر چلانا شروع کر دیا۔ نبی علیہ السلام مسلسل حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں فرما رہے تھے، ایک دعا آپ نے یہ فرمائی کہ: اے اللہ! اس (سعد) کی تیر اندازی میں شدت اور قوت عطا فرما۔ (مشکوٰۃ)

اسی غزوہ احد کے موقع پر نبی علیہ السلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ اعزازی جملے بھی عطا فرمائے:

((یَاسَعْدُ! اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ))

”اے سعد! تیر چلاؤ، تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں۔“

(بخاری کتاب المغازی)

ایک تیر سے تین شکار:

غزوہ اُحد کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی عطا فرمایا کہ آپ نے ایک ہی تیر سے تین کافروں کو قتل کیا۔ ہوا یہ کہ دشمنوں کی جانب سے

ایک تیر آیا تو نبی علیہ السلام نے وہ تیر اٹھا کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا، انہوں نے وہ تیر کافروں پر چلا دیا اور ایک کافر کو قتل کر دیا۔ کافروں نے وہ تیر پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف چلا دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہ تیر پھر کافروں پر چلا کر دوسرے کافر کو بھی قتل کر دیا۔ کافروں نے وہ تیر تیسری مرتبہ ان پر چلا دیا، انہوں نے پھر یہ تیر چلایا اور تیسرے کافر کو بھی قتل کر دیا۔ (ابن عساکر)

یوں ایک ہی تیر سے تین شکار کرنے کی سعادت بھی اللہ نے ان کو عطا فرمائی۔

مستجاب الدعوات صحابی:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک مستجاب الدعوات صحابی ہیں، اور ان کو باقاعدہ نبی علیہ السلام نے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا دی، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اے اللہ! سعد جب بھی آپ سے جو دعا مانگے تو اس کو قبول فرما۔'' (ترمذی)

چنانچہ نبی علیہ السلام کی دعا کا یہ اثر تھا کہ آپ کی ہر دعا تو قبول ہوتی ہی تھی، لیکن آپ جس کے خلاف بددعا کر دیتے وہ بھی فوراً قبول ہو جاتی تھی۔

البدایہ والنہایہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی ابوسعدہ اسامہ بن قتادہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ نازیبا کلمات کہہ دیے کہ جی یہ جنگ میں خود نہیں جاتے اور نہ برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ ہی معاملے میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح کی اس نے بہت عجیب باتیں کہہ دیں۔

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے ابوسعدہ کا یہ افترا اور جھوٹ سن کر اس کے خلاف بددعا کی کہ: اے پروردگار! اگر یہ تیرا بندہ ریاکاری اور نمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر، اور اسے ہمیشہ فقر میں مبتلا رکھ، اس کی

بینائی لے لے اور اسے فتنوں کا ہدف بنا دیجیے۔

چنانچہ ان کی بد دعا کا ایسا اثر ہوا کہ یہ شخص بہت بوڑھا ہو گیا، حتیٰ کہ اس کی ابرو آنکھوں پر گر گئیں، وہ راستے میں کھڑا ہو کر لڑکیوں کو چھیڑتا رہتا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ مجنون بوڑھا ہے جس کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگ گئی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص نے حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی برائی بیان کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے منع فرمایا اور کہا کہ میرے بھائیوں کی غیبت نہ کر۔ اس نے نہ مانا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دعا مانگی کہ اے اللہ! اگر یہ باتیں تیری مرضی کے خلاف ہوں جو یہ کہہ رہا ہے تو اس پر میری آنکھوں کے سامنے کوئی بلا نازل فرما دے اور اس کو لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا دے۔

یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ یکا یک ایک اونٹنی مجمع کو چیرتی ہوئی اس شخص کے پاس پہنچ گئی اور اس شخص کو اپنے تھوتھن سے پکڑ لیا اور دانتوں کے درمیان میں رکھ کر چبا ڈالا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کی ہر دعا کو فوراً قبول فرما لیا کرتے تھے۔

(اسد الغابہ حصہ پنجم، البدایہ والنہایہ حصہ ہفتم)

حجۃ الوداع میں شرکت:

۱۰ ہجری میں جب نبی علیہ السلام حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں نبی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اللہ کی شان کہ یہ مکہ مکرمہ میں جا کر بیمار ہو گئے۔ آپ کو بہت پریشانی لاحق ہوئی کہ میں کہیں یہاں مکہ میں فوت

نہ ہوجاؤں۔ جب نبی علیہ السلام ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہوکر عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے اگر اجازت ہوتو میں اپنا دوتہائی مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دوں؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تمہیں دوتہائی مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر عرض کیا یارسول اللہ! اگر اجازت ہوتو میں اپنا آدھا مال خرچ کردوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نصف بھی بہت زیادہ ہے۔ پھر عرض کی کہ ایک تہائی خرچ کرسکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا ایک تہائی خرچ کرسکتے ہو لیکن ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مال دار اور تونگر چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو تنگ دست اور کنگال چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں۔ (مسلم باب الوصیۃ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی علیہ السلام کی پیش گوئی:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طویل ہوجاتی تھی اسی قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی۔ نبی علیہ السلام نے انہیں رونے کی حالت میں دیکھا تو پوچھا کہ سعد! روتے کیوں ہو؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس سرزمین کی خاک نصیب ہوگی جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لیے ترک کرچکا ہوں۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے تین دفعہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا))

''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔'' (مسلم کتاب الوصیۃ)

ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہیں مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور ایک قوم کو نفع نہ پہنچ جائے۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ان کے لیے آب حیات ثابت ہوئے اور آپ کو اللہ نے شفا عطا فرمائی، اور نبی علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعے پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اٹھایا اور عرب قوم کو فائدہ پہنچا۔ (سیر الصحابہ جلد اول از معین الدین ندوی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سب سے نمایاں کارنامہ ایران کی فتح ہے، جو ان کی سربراہی میں سرانجام پایا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اس وقت شام وعراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے عراق کی فتح کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔

عراق کے بہت سارے علاقے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہو چکے تھے۔ ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ فتوحات کا اندازہ نہیں تھا۔ اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لیے نئی تدبیریں اختیار کیں۔ ایران کی شہنشاہ پوران وخت جو ایک عورت تھی اس کو تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگر کو تخت نشین کر دیا اور پورے ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت وسرکشی کی

آگ بھڑک اٹھی اور مسلمانوں کو مجبوراً سرزمین عرب میں ہٹ کر آنا پڑا۔

(سیر الصحابہ، شاہ معین الدین ندوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نئی پالیسی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام حالات سے مطلع ہو کر پورے لشکر کو از سر نو تشکیل دیا اور پورے عرب سے بہترین جنگجو اور بہادر لوگوں کی ایک بہترین فوج تیار کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل اور گورنر تھے، انہوں نے اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ایک ہزار لوگوں کا دستہ تیار کر کے بھیجا جن میں سے ہر بندہ ماہر تلوار باز اور سخت جنگ جو تھا۔ تاہم سب سے زیادہ پریشانی اس وقت لاحق ہوئی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لیے کوئی شخص موزوں نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ عوام کے پرزور اصرار پر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے لیکن اکابر صحابہ کرام نے منع کر دیا کہ آپ کا جانا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

اس دوران حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا کہ ان کو اس لشکر کا سربراہ بنا دیا جائے۔ تمام حاضرین اس انتخاب پر بھڑک اٹھے اور تمام فوج نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ (سیر الصحابہ، شاہ معین الدین ندوی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بطور سپہ سالار:

آپ کے اس لشکر میں تقریباً ۹۹ بدری صحابہ موجود تھے، ۳۱۰ صحابہ بیعت رضوان والے تھے اور ۳۰۰ وہ صحابہ تھے جو فتح مکہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی تمام فوج کی سربراہی فرماتے ہوئے مقام مشراف

پر پہنچے اور پورے لشکر کا جائزہ لیا جو تقریباً تیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ پھر میمنہ اور میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر الگ الگ افسر مقرر فرما دیے اور مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے متعلق دربارِ خلافت کو مطلع کیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ مقام مشراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو۔ چنانچہ آپ اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور قادسیہ پہنچ کر مناسب موقعوں پر مورچے جما لیے۔

(سیر الصحابہ، شاہ معین الدین ندوی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جہادی خطاب:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ کے دن یہ ولولہ انگیز خطاب فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائی، پھر ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی کسی بات کے خلاف نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (الانبیاء:105)

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''

تمہارے رب نے تمہیں یہ دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے اور تین سال سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس زمین کو استعمال کرنے کا موقع دیا ہوا ہے، تم خود بھی اس میں سے کھا رہے ہو اور دوسروں کو بھی کھلا رہے ہو۔ یہاں کے رہنے والوں کو قتل کر رہے ہو اور ان کا مال سمیٹ رہے ہو اور آج تک ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر رہے ہو۔ غرضیکہ گزشتہ تمام

جنگوں میں تمہارے ناموروں نے ان کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اب تمہارے سامنے ان کا یہ بہت بڑا لشکر جمع ہو کر آ گیا ہے۔ تم عرب کے سردار اور معزز لوگ ہو اور تم میں سے ہر ایک قبیلے کا بہترین آدمی ہے اور تمہارے پیچھے رہ جانے والوں کی عزت تم سے ہی وابستہ ہے۔ اگر دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کا شوق اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں دے دیں گے۔ دشمن کے ساتھ لڑنے سے موت قریب نہیں آجاتی، اگر تم بزدل بنو گے اور تم نے کمزوری دکھائی تو تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور تم اپنی آخرت برباد کر لو گے۔ (ابن جریر طبری بحوالہ حیاۃ الصحابہ جلد اول)

شاہ ایران کے پاس قاصد روانہ کرنا:

شہنشاہ ایران یزدگرد نے رستم کی سربراہی میں تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور حضرات کو منتخب کیا اور ان کو سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں۔

یہ حضرات شاہ ایران کے پاس پہنچے، بہت بحث مباحثہ ہوتی رہی، بالآخر مسلمانوں نے کہا کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ہم تم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی۔ مسلمانوں کے اس رویے سے غضب ناک ہو کر شاہ ایران نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ لو! تم کو یہ ملے گا۔

حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس واپس پہنچے۔ انہوں نے وہ مٹی کا ٹوکرا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا اور کہا کہ فتح مبارک ہو، دشمن نے خود اپنی زمین ہمیں دے

دی ہے۔

خیر جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں، ایرانی فوج کا لشکر بھی قادسیہ پہنچ گیا تھا۔ ایرانی لشکر کا سربراہ رستم جنگ سے جی چرا رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔

باقاعدہ جنگ:

رستم اس قدر غصے ہوگیا تھا کہ اس نے اسی وقت اپنی فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آرا ہوا۔ دوسری طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی تیار تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے مطابق تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور چوتھے پر جنگ شروع ہوگئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خود عرق النسا کی بیماری میں مبتلا تھے، اس لیے بذات خود عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور حضرت خالد بن عرطفہ کو اپنا قائم مقام بنا کر میدان جنگ کے قریب ایک قصر پر رونق افروز ہوئے اور وہیں سے موقع بموقع اپنے لشکر کو ہدایات جاری فرماتے رہتے تھے۔ جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر حضرت خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے، حضرت خالد ان ہدایات کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔

جنگ میں مسلمانوں کے لیے بڑا مسئلہ:

مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ایرانی ہاتھیوں کا تھا، وہ جس طرف کا بھی

رخ کرتے صفوں کی صفیں روندتے چلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے کی وجہ سے قریب تھا کہ بجیلہ سواروں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کی طرف پیغام بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں۔ اس کے بعد قبیلہ تمیم کو ہاتھیوں کے مقابلے کے لیے بھیجا، انہوں نے اس زور سے تیر برسائے کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ غرض یہ کہ پورا دن زور کی لڑائی ہوئی اور یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں ''یوم الامارث'' کہا جاتا ہے۔

جنگ کا دوسرا روز:

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوگئی اور عین جنگ کے دوران شام سے امدادی فوجوں کا ایک دستہ بھی پہنچ گیا، اس غیبی امداد کی وجہ سے مسلمانوں کا جوش اور بڑھ گیا اور دوسرے روز بھی بڑے زور کی جنگ ہوئی۔

جنگ کے دوسرے روز ایک عجیب واقعہ:

جب یہ قادسیہ کی جنگ ہورہی تھی، اللہ کی شان کہ ایک صحابی تھے جن کا نام ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ تھا۔ جن کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ ان کی شراب کی کوئی ایسی عادت بن چکی تھی کہ وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ ابومحجن رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے منظر کو دیکھ رہے تھے اور بہت مضطرب تھے کہ کاش میں آج آزاد ہوتا اور میں بھی اس جنگ میں شریک ہوتا اور میں بھی جہاد میں لڑنے کی سعادت حاصل کرتا، لیکن قید ہونے کی وجہ سے جا نہیں سکتے تھے۔ جب معاملہ برداشت سے باہر ہوگیا تو انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ آپ مجھے چھوڑ دیں، اگر میں زندہ باقی رہا تو شام کو خود واپس آ کر

بیڑیاں پہن لوں گا۔

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا نے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بڑی ہی حسرت بھرے اشعار پڑھنے شروع کر دیے:

؎ کفی حزنا ان ترد الخیل بالقنا
واترك مشدودا علی وثاقیا

''اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیر میں بندھا پڑا ہوں۔''

؎ اذا قمت عنا فی الحدیر واغلقت
مصاریع دونی تصنم المنادیا

''جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس طرح سامنے بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔''

ان کے یہ اشعار سن کر حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کو رحم آ گیا اور انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔

یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور اپنی شجاعت اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ خود سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو حضرت ابو محجن رضی اللہ عنہ نے خود ہی خیمے میں واپس آ کر بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا نے یہ حالات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بیان کیے تو انہوں نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا۔ یہ کہا اور اسی وقت اس کو رہا کر دیا۔

اس بات کا حضرت ابو محجن رضی اللہ عنہ پر بھی اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے آئندہ شراب

پینے سے پکی توبہ کرلی۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۹، ص ۲ ۶۳، الاصابہ، ج ۴، ص ۱۷۳)

جنگ کا تیسرا روز:

حسب معمول تیسرے دن پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آج آخری فیصلے کا ارادہ کرلیا، لیکن شام ہوگئی اور جنگ کے زورشور میں کوئی فرق نہ آیا۔ زیادہ دقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک جاتے صفوں کی صفیں درہم برہم کردیتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قعقاع اور چند دوسرے سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم اگر ہاتھیوں کو مارلو تو میدان تمہارے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد دوسرے ہاتھی خودبخود بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے ہی ہاتھیوں سے میدان صاف ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور تکبیر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مکمل جوش کے ساتھ پرزور حملہ کیا۔ بالآخر مسلمانوں کی ہمت و بہادری کی وجہ سے ایرانیوں کے پاؤں میدان سے اکھڑنے لگے اور ان کو شکست ہونے لگی۔ خود ان کے سپہ سالار رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال بن علقمہ نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کردیا۔

یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اتنے بڑے معرکے میں ایک عظیم فتح عطا فرمائی۔ اس کے بعد کچھ ہی عرصے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بابل اور ایران کے پایہ تخت مدائن کو بھی فتح کرلیا اور آپ تاریخ کے ایک بہت بڑے فاتح بن گئے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے آپ کو فاتح عراق و ایران بھی کہا جاتا ہے۔

اس جنگ قادسیہ میں تقریباً تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے، اور مال غنیمت کے طور پر بادشاہ کے سنہری تخت اور اس کے ہاتھوں کے سونے کے کنگن اور اس کے علاوہ بے شمار کپڑے، جواہرات اور دوسری بہت سی قیمتی اشیاء حاصل ہوئیں۔ ہر مجاہد کو دوسری اشیا کے علاوہ بارہ بارہ ہزار درہم نقد ملے۔ (سیر الصحابہ)

خلافت کے لیے نامزدگی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کی تعیین کے لیے جن چند حضرات کا نام لیا تھا ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اللہ نے ان کو ایسی شان عطا فرمائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت بھی ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی خلافت سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کا اعلان فرمادیا اور خود کو اس بار امانت سے آزاد کرلیا۔ (المرتضیٰ از ابوالحسن علی ندوی)

ازواج واولاد:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 9 عورتوں سے نکاح فرمایا جن کے نام بھی مؤرخین نے لکھے ہیں اور ان کی اولاد میں 17 بیٹے اور 16 یا 17 بیٹیاں تھیں۔ (سیر الصحابہ)

گوشہ نشینی اور وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور اکثر اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عمر بن سعد نے ان سے عرض کیا کہ ابا جان! آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ حکومت و بادشاہت کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔ آپ نے

اپنے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ خاموش ہو جا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی اور پرہیزگار بندے کو محبوب رکھتا ہے۔ (سیر الصحابہ جلد اول)

چنانچہ سن 55 ہجری میں تقریباً 85 سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ اس وقت مدینہ سے سات میل دور مقام عقیق میں تھے اور تمام مہاجرین صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

(اسد الغابہ و مظاہر حق جدید پنجم)

تجہیز و تکفین:

وفات سے پہلے آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اسی جبے میں کفن دینا جس کو پہن کر میں بدر میں جہاد کے لیے گیا تھا، میری یہی خواہش ہے کہ میں اسی جبے میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔

چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو اپنے اسی جبے میں کفن دیا گیا۔ والی مدینہ مروان بن حکم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ (سیر الصحابہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت:

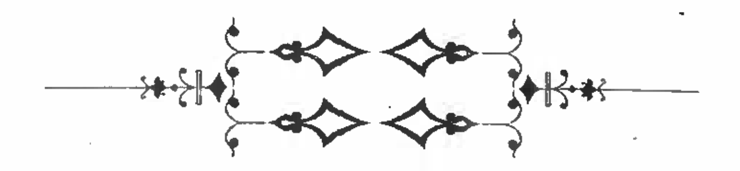
ایک شاعر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

سرورِ کونین کے لشکر کا تیر انداز تھا
خالد و زید و ابوذر کا وہ ہم آواز تھا
فوج کوئی بھی ٹھہر سکتی نہ اُس کے سامنے

باعثِ صد فخر تھا وہ باعثِ صد ناز تھا
روند ڈالا دیکھتے ہی دیکھتے ایران کو
وہ سنہرے دور کے آغاز کا آغاز تھا
ذکر جب کرتے تھے کرتے تھے بڑے ہی پیار سے
اپنے ماموں کی شجاعت پر نبی کو بھی ناز تھا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہستیوں کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے جن کو اللہ نے دنیا کے اندر نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی خوش خبری عطا فرمادی تھی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



9

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلحَةُ فِي الجَنَّةِ وَ الزُّبَيرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبدُ الرَّحمٰنِ بنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيدَةَ بنُ الجَرَّاحِ فِي الجَنَّةِ.) (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

عشرہ مبشرہ میں سب سے آخری بزرگ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ یعنی وہ دس

خوش نصیب حضرات جن کو اسی دنیا میں نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جنتی ہونے کی بشارت ملی تھی ان میں سے ایک حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ کا نام سعید اور کنیت ابوالاعور تھی۔ والد کا نام زید اور دادا کا نام عمرو بن نفیل تھا۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا۔ قریش کی معروف شاخ بنوعدی سے تعلق تھا اور آپ کی والدہ محترمہ قبیلہ بنوخزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ (اسدالغابہ)

آپ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر جا کر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

(سیر الصحابہ، الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رشتہ:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رشتہ داریاں تھیں۔ آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے، گویا آپ کے بھتیجے لگتے تھے۔ اور دوسرا آپ کے بہنوئی بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا جن کی کنیت ام جمیل تھی، آپ کے نکاح میں تھیں۔ (اسدالغابہ)

آپ کے والد محترم کے چیدہ چیدہ حالات:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید ان سعادت مند بزرگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں بھی توحید پرست تھے اور ہر قسم کے فسق و فجور سے پاک تھے، حتیٰ کہ آپ مشرکین کا ذبیحہ بھی نہیں کھاتے تھے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام کے اعلان نبوت سے پہلے ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وادی بلدح میں ملاقات ہوئی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۰) نبی علیہ السلام کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرما دیا، پھر انہوں نے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہارے بتوں کا چڑھایا

ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا۔ (سیر الصحابہ)

حضرت زید کے توحید پر مبنی اشعار:

حضرت زید مشرکانہ عقائد سے خود بھی احتراز فرماتے اور دوسروں کو بھی منع فرماتے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کے اوپر بہت سے اشعار بھی لکھے، یہ فقیر آپ کو دو شعر اور ان کا ترجمہ سنا دیتا ہے جس سے آپ حضرات کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ شرک سے کس قدر بیزار تھے۔ فرماتے ہیں:

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ
اَدِیْنُ اِذَا تَقَسَّمَتِ الْاُمُوْرُ
تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذَالِكَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

”میں اکیلے رب کو مانوں یا ہزاروں معبودوں کو جبکہ معاملات بٹ جائیں، میں نے لات اور عزّٰی وغیرہ سب کو چھوڑ دیا (اور توحید اختیار کر لی) سمجھدار انسان ایسے ہی کرتا ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کیسے پکے موحد تھے اور شرک سے نفرت کرنے والے تھے۔ تاہم یہ نبی علیہ السلام کی بعثت تک زندہ نہیں رہ سکے اور آپ کے اعلان نبوت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مذہب حق کی تلاش کے لیے سفر:

حضرت زید کا دل جب کفر و شرک سے متنفر ہوا تو آپ نے مذہب حق کی تلاش اور جستجو کے لیے دور دراز کے ملکوں کا سفر کیا۔ شام میں ایک یہودی عالم سے ملاقات کی

اور اس کو اپنا مدعا بیان کیا تو اس یہودی نے کہا کہ اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے۔

حضرت زید کہنے لگے کہ میں اللہ کے غضب سے تو دور بھاگ رہا ہوں، میں اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا، البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔ اس یہودی عالم نے دین حنیف کا پتہ دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ دین حنیف کیا ہے؟ بولا کہ دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔

اس کے بعد ایک عیسائی راہب سے جا کر ملاقات کی اور اس کو اپنے مقصد کے بارے میں بتایا۔ اس عیسائی عالم نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ خدارا! کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے۔ (سیر الصحابہ)

ایک اور راہب نے یہ مشورہ دیا کہ تم مکے چلے جاؤ، وہاں پر اللہ ایک نبی کو بھیجنے والا ہے جو دین ابراہیمی کی تجدید کرے گا، اگر تم نے اس نبی کو پالیا تو ان کا دامن تھام لینا۔ (عشرہ مبشرہ از مولانا محمد رفیق)

غرض جب ہر طرف سے دین حنیف کا پتہ ملا تو شام سے واپس آئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: خدایا! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں۔

(سیر الصحابہ)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس نبی کا منتظر ہوں جو اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے

ہوگا۔ چنانچہ آپ نے مرتے وقت حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے کہ اگر میں نے اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے ہونے والے نبی کو پالیا تو میں اس پر ضرور ایمان لاؤں گا، بدقسمتی سے اگر مجھے یہ سعادت میسر نہ آئی تو اے عامر! اگر تمہاری زندگی وفا کرے اور تم اسے پاؤ تو ان کو میرا سلام کہنا۔

(عشرہ مبشرہ از مولانا محمد رفیق)

بعد میں جب نبی علیہ السلام نے اعلان نبوت فرمایا اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت زید کا سلام پہنچایا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ میں نے زید کو جنت میں دیکھا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب زید کے متعلق نبی علیہ السلام سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ زید کی مغفرت کرے اور اس پر رحمت کرے، وہ دین ابراہیمی پر مرا ہے اور قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھے گا۔ (عشرہ مبشرہ از مولانا محمد رفیق)

حضرت زید کی ایک عظیم خوبی:

حضرت زید کی ایک عظیم خوبی یہ بھی تھی کہ ایام جاہلیت میں زندہ درگور ہونے والی بچیوں کو بچا لیا کرتے تھے، ان کی خود کفالت فرماتے، ان کی شادی کا بندوبست فرماتے۔ بعد میں اگر اس کے والدین اس کو واپس لینے پر رضامند ہو جاتے تو آپ ان کی بچی ان کو واپس لوٹا دیتے ورنہ اپنی کفالت میں رکھتے۔

(بخاری باب حدیث زید میں مفصل قصہ مذکور ہے)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد تو اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، لیکن ان کی توحید پرستی کا حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر ایسا اثر تھا کہ آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کی اہلیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کی اہلیہ اسلام لانے کے اعتبار سے ان دس خوش نصیب حضرات میں شامل ہیں جو بہت شروع شروع میں مسلمان ہو چکے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہے تھے تو کسی نے ان کو بتا دیا کہ آپ کی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدھا اپنے گھر کا رخ کیا اور جا کر اپنی بہن اور بہنوئی کو اس قدر مارا کہ لہولہان کر دیا، لیکن آپ کی بہن اور بہنوئی کے عزم واستقلال کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے اور یہی دونوں حضرات عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستی کے ایمان لانے کا سبب اور ذریعہ بنے۔ (اسد الغابہ)

جنتی ہونے کی بشارت:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی بالاتفاق عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ ایک مرتبہ وہ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے تھے تو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے۔ انہوں نے بہت عزت وتکریم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ اس دوران ایک اور آدمی مسجد میں داخل ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غیر مناسب

کلمات کہنا شروع کردیے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکا اور فرمایا کہ مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع بھی نہیں کرتے۔ اس کے بعد عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے آٹھ حضرات کا نام لے کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ نواں آدمی میں ہوں۔ یعنی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھی اسی دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

(سیر الصحابہ)

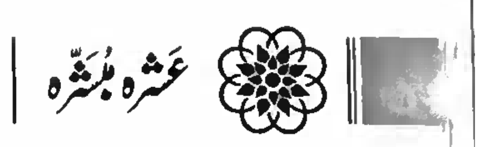
ہجرت مدینہ اور مواخات:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا۔ پھر بعد میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رافع بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی مواخات قائم فرمادی۔

(طبقات ابن سعد حصہ بدریین)

غزوہ بدر میں شمولیت:

سن دو ہجری میں جب غزوہ بدر کا معرکہ پیش آیا تو اس سے کچھ عرصہ پہلے نبی علیہ السلام نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قریش کے تجارتی قافلے کی جاسوسی پر مامور فرمایا، جس قافلے کی وجہ سے بعد میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ یہ دونوں حضرات شام پہنچے اور قافلے پر نظر رکھی۔ جب قافلہ شام کی حدود سے نکلا تو دونوں نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورے حالات



سے آگاہ کرسکیں۔

اللہ کی شان کہ قریش کا تجارتی قافلہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، ان کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے نبی علیہ السلام کے حملے کے ارادے کا علم ہوگیا تھا، لہٰذا اس نے اپنا راستہ بدل لیا۔ اس تجارتی قافلے کے سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ قصہ مختصر کہ جب حضرت سعید اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے تو اس وقت تک نبی علیہ السلام بدر کی جنگ سے فارغ ہوکر مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ چونکہ یہ حضرات نبی علیہ السلام کے حکم کے مطابق ایک خدمت پر مامور تھے، اس لیے اگرچہ یہ حضرات جنگ بدر میں باقاعدہ شریک نہیں تھے، لیکن نبی علیہ السلام نے ان کو بدری صحابہ میں شمار فرمایا اور ان کو بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ تین خوش نصیب حضرات ایسے ہیں جو باقاعدہ طور پر غزوہ بدر میں شریک تو نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو غزوہ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ کی طرح اجر بھی عطا فرمایا اور ان کو اہل بدر میں شمار ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔ ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا واقعہ یہ فقیر ان کے حالات میں بیان کر چکا ہے کہ وہ خود نبی علیہ السلام کے حکم پر اپنی اہلیہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رک گئے تھے اور دوسرے یہ دونوں حضرات یعنی حضرت سعید بن زید اور اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما ہیں جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود بھی باتفاق علمائے امت بدری صحابہ ہیں۔ (اسد الغابہ، البدایہ والنہایہ)

تمام غزوات میں شرکت:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی اور اپنی بہادری اور شجاعت کے خوب جوہر دکھائے، لیکن کسی بھی غزوہ کے متعلق ان کے

واقعات کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتی۔(سیر الصحابہ)

عہد فاروقی میں کارنامے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو اس وقت فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پیدل فوج کے افسر متعین تھے۔دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں آپ نے بہت بہادری اور شجاعت کا مظاہر فرمایا اور عیسائی فوج کے افسر کو آپ نے اپنے ہی ہاتھوں سے جہنم واصل کیا۔

دمشق کی گورنری اور شوق جہاد:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمات اور نمایاں کارناموں کی وجہ سے آپ کو دوران جنگ ہی دمشق کا گورنر متعین فرمادیا اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو دمشق کے سب سے پہلے مسلمان گورنر ہونے کا شرف ملا۔تاہم آپ کے اندر شوق جہاد اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ آپ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کرسکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لیے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ گورنر بنا کر بھیج دیجیے اور میں عن قریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی حضرت یزید بن ابی سفیان کو دمشق کا گورنر متعین کیا اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ پھر میدان جنگ میں جلوہ افروز ہوگئے۔

(سیر الصحابہ)

جنگ بعلبک کا واقعہ:

ایک دفعہ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

کو پانچ سو سوار اور تین سو پیدل مجاہدین کے ایک دستے کا کمانڈر بنا کر بعلبک کی طرف بھیجا جو بلاد روم کی ایک جگہ ہے اور ان کے ذمے ڈیوٹی لگائی کہ وہاں جا کر بابِ جبل پر اپنی خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کو متفرق، منتشر اور پراگندہ نہ ہونے دیں، رومیوں کو مسلمانوں سے دور رکھیں اور مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اللہ کی شان کہ وہاں جنگ کی نوبت آ گئی اور ان کے مقابلے میں عیسائیوں کا ایک لشکر تھا جس کا سردار ہربیس تھا۔ اس جنگ میں جب عیسائیوں کو شکست ہونے لگی تو وہ بھاگنے لگے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا، لیکن مسئلہ یہ بنا کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی آواز ہی نہیں سنی اور وہ مسلسل ان کا تعاقب کرتے رہے۔

عیسائی فوج کا محاصرہ:

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک گھاٹی میں ان عیسائیوں کا محاصرہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو وہاں کھڑا کر کے خود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خبر دینے کے لیے چلے گئے۔ ادھر سے یہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خبر دے کر واپس آ گئے، ادھر سے عیسائیوں کو بہت پریشانی ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے صلح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ عیسائیوں کا سردار حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے آیا اور آنے سے پہلے اس نے اپنا قیمتی ریشمی لباس اتار کر موٹی اُون کے کپڑے پہن لیے۔ سب ہتھیار پھینک کر نہایت عاجزی، انکساری اور ذلت و خواری کے اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا اور یہ دعا کی:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذَلَّ لَنَا جَبَابِرَھُمْ وَاَمْکَنَنَا عَلٰی بَطَارِقَتِھِمْ''

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمارے سامنے ان سرکشوں کو ذلیل و خوار کر دیا اور ہمیں ان کے سردار پر قدرت و فوقیت بخش دی۔''

اہل محاصرہ کے بارے میں صلح:

خیر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے ہربیس کے ساتھ اہل محاصرہ کے بارے میں دو باتوں پر صلح کر لی:

1. ان میں سے جو شخص ہمارے دین میں داخل ہونا چاہے اس کی اور ہماری حالت یکساں ہوگی اور ہم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔
2. جو شخص اپنے مذہب پر رہتا ہوا ہتھیار ڈال دے تو اسے ہماری طرف سے امان ہوگی اور وہ قتل سے محفوظ رہے گا مگر اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہمارے مقابلہ میں کبھی ہتھیار نہ اُٹھائے اور نہ کسی طرح برسرِ پیکار ہو۔

پھر ہربیس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے اہلِ شہر کی امان کی بابت پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ شہر اور اہل شہر کا ہمارے سردار نے محاصرہ کر رکھا ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو فتح دینے والے ہیں۔ اگر تو ان کی بھی امان چاہتا ہے تو میرے ساتھ میری امان میں ہمارے سردار ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چل، اگر تیرے اور اُن کے درمیان مصالحت ہوگئی تو ٹھیک ہے، ورنہ میں تجھے بخیر و عافیت تیرے ٹھکانے تک پہنچا دوں گا۔

اہل شہر کے بارے میں صلح:

جب وہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان



کی امان کو باقی رکھا اور باقی اہل شہر سے بھی دو ہزار اُوقیہ سونے، چار ہزار اُوقیہ چاندی، دو ہزار ریشمی کپڑے، پانچ ہزار اسی شہر کی تلواریں اور اہل محاصرہ کے تمام اسلحہ اور درج ذیل پانچ شرائط پر صلح کر لی جو ہربیس نے بھی قبول کر لیں۔ وہ شرائط یہ ہیں:

1. آئندہ سال سے اپنی زمینوں کا خراج ہمیں دیا جائے گا۔
2. جزیہ ہر سال ادا کیا جائے۔
3. اب کے بعد سے ہمارے مقابلے میں ہتھیار نہ اُٹھائے جائیں۔
4. کسی دوسری سلطنت سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے۔
5. صلح کے بعد کوئی نئی بات پیدا نہ کی جائے اور نہ کوئی کنیسہ تعمیر کیا جائے۔

(جنگ بعلبک کی تمام تر معلومات علامہ واقدی کی کتاب فتوح الشام سے ماخوذ ہیں)

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد گوشہ نشینی:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے تک آپ مسلسل میدان جہاد میں مصروف رہے اور نمایاں کارنامے سرانجام دیے، لیکن جس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ کی طبیعت پر بہت گہرا اثر پڑا اور بہت غمزدہ ہوئے۔ اس وقت آپ کوفہ میں تھے، جیسے ہی آپ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں سنا تو کوفہ کی جامع مسجد میں آپ نے باقاعدہ ایک تقریر کی اور لوگوں کو خوب متنبہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم نے جو سلوک سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے اگر اس سلوک کی وجہ سے اُحد پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو اس کا ٹل جانا ممکن ہے۔ (بخاری باب بنیان الکعبۃ)

چنانچہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد فتنوں نے سر اٹھایا تو آپ نے سب سے الگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار فرمالی اور زہد و عبادت میں زندگی گزارنی شروع کر دی، لہٰذا آپ

نے جنگ جمل یا جنگ صفین کسی میں بھی حصہ نہیں لیا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر ایک عورت کا جھوٹا الزام:

ایک مرتبہ اروٰی بنت اویس نامی ایک عورت نے مروان بن حکم رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ انہوں نے میری زمین کے ایک ٹکڑے پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے۔ مروان نے تحقیق حال کے لیے ایک وفد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ وفد آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے متعلق کیا سمجھتے ہیں کہ میں نے اس عورت کی زمین چھین کر بڑا ظلم کیا ہے، بھلا میں ایسے جرم کا ارتکاب کیسے کرسکتا ہوں، جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ناحق طور پر اپنے قبضے میں لے لی، قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنا دیا جائے گا۔''

اس کے بعد آپ نے اس عورت کے حق میں بددعا کی اور فرمایا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، میں نے اس عورت پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اے اللہ! تو جانتا ہے یہ عورت جھوٹی ہے، تو اسے اس کے جھوٹ کی یہ سزا دے کہ اسے اندھا کرکے کنویں میں گرا دے، تاکہ لوگوں پر واضح ہوجائے کہ میں نے اس عورت پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

چنانچہ ایک ماہ کے بعد وہ عورت اندھی ہوگئی اور ایک دن وہ اپنی زمین میں گھوم رہی تھی کہ کنویں میں گر کر ہلاک ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سیلاب آیا جس سے وہ حد بندی بھی واضح ہوگئی جس کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوا تھا اور لوگوں پر واضح ہوگیا

کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سچے ہیں اور وہ عورت جھوٹی ہے۔(اسد الغابہ)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اَولاد:

آپ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے، آپ کی مشہور زوجہ محترمہ تو ام جمیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے تقریباً آٹھ عورتوں سے نکاح کیا اور اللہ نے کثیر اولاد عطا فرمائی تھی۔ آپ کی اولاد میں تقریباً 13 بیٹے اور 16 بیٹیاں شامل ہیں۔(طبقات ابن سعد جز و ثالث)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات اور عمر:

جمعہ کے دن سن 50 یا 51 ہجری میں تقریباً 81 سال کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ مدینہ کے قریب وادی عقیق میں رہائش پذیر تھے۔(اسد الغابہ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کو غسل دیا (البدایہ والنہایہ) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قبر میں اتارا اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔(اسد الغابہ) آپ سے کل 48 احادیث مروی ہیں۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت:

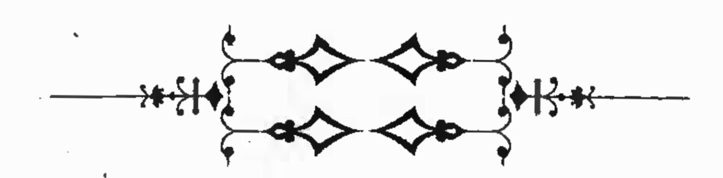
ایک شاعر نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

؎ خوفِ خدا سے اس کا بدن چور چور تھا
قدسی نہ تھا وہ قدسیوں جیسا ضرور تھا
دِل تھا کہ جیسے مسجد نبوی ہو قبلہ رو
چہرے پہ اس کے سارے زمانوں کا نور تھا

مہکی ہوئی تھیں ذہن میں اس کے بصیرتیں
غارِ حرا تھی دِل میں نگاہوں میں طور تھا
پیغامِ حق سے پہلے تھا وہ شخص حق شناس
اس کو صداقتوں کا مکمل شعور تھا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہستیوں کے ساتھ سچی محبت عطا فرمائے جن کو اللہ نے دنیا کے اندر نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی خوش خبری عطا فرمادی تھی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



اللهم صل على
محمد
وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

10

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (النساء:۹۵)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَبدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ أَبُو عُبَيدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (سنن ترمذی، حدیث:۳۷۴۷)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا تعارف: (۱)

اس امت کے دس خوش نصیب حضرات جن کو اسی دنیا میں نبی ﷺ کی زبان

مبارک سے جنتی ہونے کی بشارت ملی، ان میں سے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔
ان کا نام عامر تھا، ابوعبیدہ ان کی کنیت تھی۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

آٹھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے، سابقین اولین میں سے ہیں، یعنی وہ لوگ جو ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے ان میں سے ایک ہیں، ان سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے، اس کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے۔

دو ہجرتوں کا شرف:

انہوں نے دو ہجرتیں کیں، پہلی ہجرت مکہ سے حبشہ کی طرف کی، پھر کچھ عرصے کے بعد واپس آگئے، پھر نبی علیہ السلام کے ہجرت فرمانے کے بعد انہوں نے بھی مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

اسلامی لشکر کی سربراہی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اسلامی لشکر کے سربراہ تھے، یعنی کمانڈر انچیف تھے اور اللہ نے ان کے ہاتھوں پر شام، عراق اور فلسطین کو فتح فرمایا تھا۔

جسمانی ڈیل ڈول:

قد لمبا تھا، جسم کمزور اور لاغر تھا، پتلے دبلے تھے، چہرے پہ کم گوشت تھا۔

نبی علیہ السلام کا ان پر اعتماد:

نبی علیہ السلام ان پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ ''عاقب'' اور ''سید'' (نجران کے دوسردار) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مباہلہ[1] کرنے آئے تو ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

''لَا تَفْعَلْ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَاعَنَّا لَا نُفْلِحُ نَحْنُ وَلَا عَقِبُنَا مِنْ بَعْدِنَا''

''مباہلہ مت کرنا اللہ کی قسم! اگر وہ نبی ہوا اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم اور ہمارے بعد ہماری اولاد کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔''

چنانچہ ان دونوں نے کہا کہ آپ ہم سے جو طلب فرمائیں، ہم اسے ادا کرتے رہیں گے اور ہمارے ساتھ ایک امین آدمی کو بھیج دیجئے، خائن کو نہ بھیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ''

''میں تمہارے ساتھ ایسے امین کو بھیجوں گا جو پکا اور سچا امین ہے۔''

اصحابِ رسول منتظر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قُمْ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ''

''اے ابوعبیدہ بن جراح! تم کھڑے ہو جاؤ۔''

جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''هٰذَا أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.'' [صحیح بخاری، رقم: ۴۳۸۰]

''یہ اس امت کے امین ہیں۔''

---

[1] ...... ''مباہلہ'' یہ ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر جنگل میں جا کر اللہ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے کاذب (جھوٹا) ہو، اس پر عذاب نازل فرما۔

خلافت کا اعتماد:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ نبی علیہ السلام اپنے بعد کسی کو خلیفہ متعین فرماتے تو کس کو فرماتے؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر صدیق کو۔ پوچھا: ان کے بعد؟ جواب دیا: حضرت عمر کو۔ پوچھا: ان کے بعد؟ انہوں نے کہا: ابوعبیدہ بن جراح کو۔ چوتھی مرتبہ پوچھا: ان کے بعد کس کو؟ اس پر اُمّ المومنین نے خاموشی اختیار فرمالی۔

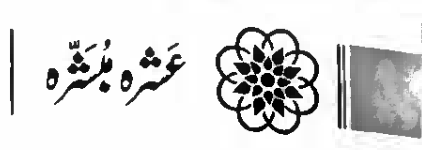
[صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۵]

یعنی اتنے اعتماد والے بندے تھے کہ خلافت کے معاملے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نام آیا۔

ایک مشکل مہم کی سرکردگی:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے انہیں ایک مہم پر بھیجا، تین سو آدمی ان کے ساتھ تھے اور نان نفقہ کے طور پہ صرف ایک بوری کھجور تھی، کھجور کی صرف ایک بوری تھی جو کھانے کے لیے تھی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چل پڑے، ہر روز ایک بندے کو ایک کھجور تقسیم ہوتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم اس ایک کھجور کو لے کر کافی دیر چوستے رہتے تھے، پھر اس کو کھالیا کرتے تھے اور پانی پی لیا کرتے تھے، یہ ہمارے دن اور رات کا یعنی چوبیس گھنٹے کا کھانا ہوتا تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ بات بتائی تو بیٹا بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا کہ ابا جان! چوبیس گھنٹے میں ایک کھجور کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: بیٹا! اس ایک کھجور کی قیمت کا اندازہ اس دن ہوا جب وہ بھی ملنی بند ہوگئی۔ بعض حضرات ایسے تھے جو بھوک کی شدت کی وجہ سے درختوں کے پتے اتار کے کھایا کرتے تھے، اس حال میں ہم



نے وہ سفر کیا۔

ٹیلے نما مچھلی کے ذریعے خدائی مدد:

جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ہم نے دور سے ایک ٹیلے کو دیکھا، جب قریب گئے تو دیکھا کہ وہ عنبر نامی مچھلی تھی، اتنی بڑی مچھلی تھی کہ اس کی آنکھ میں انیس آدمی داخل ہو گئے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ وہ مچھلی کتنی بڑی ہوگی کہ جس کی آنکھ کے خول کے اندر انیس بندے داخل ہو گئے؟ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا ایک کانٹا اٹھایا اور کھڑا کر کے رکھا تو ایک اونٹ جو سامان سے لدا ہوا تھا وہ اس کے نیچے سے آرام سے گزر گیا۔ تین سو آدمیوں نے ایک مہینے تک اس مچھلی کا گوشت کھایا، حتیٰ کہ جب وہ واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو نبی علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اور تمہیں اللہ نے غیب سے رزق عطا فرما دیا، پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر کچھ گوشت بچا ہوا ہے تو مجھے بھی دو، میں بھی اس میں سے برکت کے لیے کھانا چاہتا ہوں، چنانچہ کچھ گوشت بچا ہوا تھا جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھا لیا۔

(صحیح بخاری، حدیث: ۴۳۶۱، ۴۳۶۲)

اس امت کے امین:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَ إِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ.)

”ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور میری امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۷۴۴)

دنیا سے بے رغبتی:

اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی شجاعت عطا فرمائی تھی اتنی ہی دنیا سے بے رغبتی بھی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تھیلے میں چار سو درہم ڈال کر ایک غلام کو دیے کہ جا کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دے کے آئیں اور یہ بھی دیکھیں کہ وہ اس کو کہاں خرچ کرتے ہیں؟ وہ آدمی اس کو لے کر گیا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ جی! امیر المومنین نے آپ کے پاس بھیجے ہیں۔ انہوں نے بچے کو بلایا اور کہا کہ یہ پانچ درہم لے جاؤ اور فلاں کو دے کر آؤ، پھر پانچ درہم فلاں کو دے کر آؤ، وہ سارے دراہم انہوں نے اپنے قریب کے رشتے دار اور جو پڑوسی تھے ان کے اندر تقسیم کر دیے اور اپنے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱، ص ۱۷)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا زہد:

پھر انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور اس کو کہا کہ ان کا بھی پتہ کرنا کہ وہ کہاں خرچ کرتے ہیں؟ وہ آدمی گیا اور اس نے چار سو درہم ان کو دیے، انہوں نے بھی پانچ پانچ درہم کر کے سارے تقسیم کر دیے، اخیر پر ان کی بیوی آئی اور کہنے لگی کہ جی! آپ لوگوں میں پیسے تقسیم کر رہے ہیں، ہمارے پاس بھی تو کھانے کے لیے کچھ نہیں، ہمیں بھی کچھ دیں۔

جب قاصد نے یہ بات جا کر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو بتلائی تو انہوں نے فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الإِسلَامِ مَن يَّصنَعُ هٰذَا''

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے جو اس طرح (سخاوت) کرتے ہیں۔'' (سیر اعلام النبلاء، ج ۱، ص ۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتماد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حجاز میں قحط پڑ گیا، اب اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی بندہ جائے اور امانت داری کے ساتھ وہاں جا کر غلہ تقسیم کرے، یہ ایک امانت کا کام بھی تھا اور مشقت آمیز کام بھی تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے غلہ وہاں کے سارے لوگوں میں بڑی امانت داری کے ساتھ تقسیم کیا، لوگ ان کی امانت پر عش عش کر اٹھتے۔

قیامت کی پیشی کا ڈر:

ایک مرتبہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ حضرت! رو کیوں رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ مجھے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: ابوعبیدہ! اللہ تمہارے ہاتھ پر شام کو فتح کروائے گا اور اس وقت تمہیں خوب مال غنیمت ملے گا، مگر تمہارے لیے تین سواریاں کافی ہوں گی اور تین نوکر کافی ہوں گے، ایک سواری تمہارے لیے اور ایک تمہارے خادم کے لیے اور ایک تمہارے گھر والوں کے لیے۔ فرمانے لگے کہ آج میرے گھر کو دیکھو! میری مہمان داری اتنی ہے کہ میرے پاس جانوروں کا اصطبل بنا ہوا ہے اور میں رو رہا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن نبی علیہ السلام کے سامنے پیش ہوتے ہوئے شرمندگی اٹھانی پڑے۔

(کنزالعمال، رقم: ۳۶۶۶۲)

وقت کے کمانڈر انچیف کا گھر:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو ملنے کے لیے بلادشام میں آئے، ملاقات ہوئی تو

انہوں نے کہا کہ میں آپ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ اپنے وقت کے کمانڈر اِنچیف کا گھر تھا، جب وہاں گئے تو انہوں نے صرف تین چیزیں دیکھیں: ایک تلوار، ایک زرہ جس سے انسان اپنے آپ کو بچاتا ہے اور ایک کپڑا تھا جو اونٹ کی کوہان کے اوپر رکھا جاتا ہے، کجاوہ جس کو کہتے ہیں، اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے کہ سواری کی ایک چیز ہے اور تلوار اور زرہ اس کے سوا کچھ بھی گھر میں نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوعبیدہ! تمہارے گھر میں اس کے سوا کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: امیر المومنین! قبر تک پہنچنے کے لیے یہ تین چیزیں کافی ہیں، میں انہی تین چیزوں پر زندگی گزار لوں گا۔

(اسد الغابہ، ج ۱، ص ۵۶۰)

ان حضرات کے دل میں دنیا کی محبت بالکل نہیں تھی، ان کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا، اسی وجہ سے اللہ نے ان کے ہاتھ پر اسلام کو اتنی فتوحات عطا فرمائی تھیں۔

اُحد میں نبی علیہ السلام کے خود کی کڑی نکالنا:

غزوہ اُحد میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پہلے پہنچ گیا تھا، میرے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ کسی بدبخت نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا تھا اور تلوار کے لگنے کی وجہ سے ''خود'' کی کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کے اندر گھس گئی تھیں۔ ہم یہ دیکھ کر بڑے غمزدہ ہوئے اور ہم نے چاہا کہ وہ کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے نکالیں۔

میں نے آگے بڑھنا چاہا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں اللہ کے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ کام مجھے کرنے دو۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک کڑی کو نکالنا شروع کیا۔ وہ اتنی سخت

سے اندر گئی ہوئی تھی کہ آسانی سے نہیں نکل رہی تھی، چنانچہ انہوں نے اپنے دانت سے پکڑ کر اسے نکالا۔ اُدھر کڑی باہر نکلی، اِدھر ان کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ پھر انہوں نے دوسری کڑی کو نکالا تو دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ چنانچہ اس موقع پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دو دانت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر قربان کر دیئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ دو دانتوں کے ٹوٹنے کے بعد وہ اتنے خوبصورت نظر آتے تھے کہ اس سے پہلے اتنے خوبصورت دکھائی نہیں دیتے تھے۔

[اُسد الغابہ: ۲/ ٦٠]

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق:

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اتنے بااخلاق تھے کہ جب عیسائیوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی تو عیسائی ان کے اخلاق کی وجہ سے ان کے معتقد ہو گئے تھے، ان کے دلوں پر ان کی محبت کا غلبہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک عیسائی سفیر آیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ کی سادگی کو دیکھ کر اور آپ کی شجاعت کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ میں کلمہ پڑھ کے مسلمان بن جاؤں۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان بن گیا۔

یعنی دشمنوں کے دلوں پر بھی حکومت کرتے تھے، ان کے اخلاق ایسے تھے کہ جنہوں نے دشمنوں کے دلوں کو بھی جیت لیا تھا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات:

سن 18 ہجری میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ طاعون کی بیماری پھیلی۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئے، اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی

اور وہیں پر انہیں دفن کر دیا گیا۔ وفات کے وقت اُن کی عمر 58 سال تھی۔

[اسد الغابہ:۲/۶۱]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خراج عقیدت:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند اشعار لکھے ہیں، ذرا غور سے سنیے! فرماتے ہیں:

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام

یعنی شام کی جو دلہن تھی وہ مہندی کے انتظار میں تھی، چونکہ جنگ ہونی تھی اور جو خون بہنا تھا یہ اس زمین کے لیے مہندی کی مانند تھی۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
ایک نو جوان صورت سیماب مضطرب

ایک نوجوان جو پارے کی طرح مضطرب تھا۔

آ کر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام

وہ امیر لشکر یعنی حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے آ کر ہم کلام ہوا۔

اے بو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے

اے امیر لشکر! آپ مجھے لڑنے کی اجازت دیجیے تا کہ میں دشمن پہ حملہ کروں۔

اے بو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا میرے صبر و سکوں کا جام

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
ایک دم بھی زندگی کی محبت میں ہے حرام

اس نوجوان کے دل میں نبی علیہ السلام کی محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ اس نے یہ کہا:

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
ایک دم بھی زندگی کی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

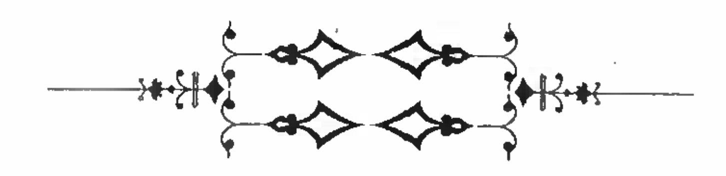
یعنی میں تو شہید ہونے کے لیے جا رہا ہوں اور میری نبی ﷺ سے ملاقات ہونی ہے، اے امیر لشکر! اگر تو نے کوئی پیغام دینا ہے تو میں آپ کا پیغام بھی نبی علیہ السلام کے پاس لے کر جاؤں گا۔

جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق شوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو
بوڑھوں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمد تیری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو

کرنا یہ عرض میری طرف سے بصد سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پوئے ہوئے جو وعدے کیے حضور نے

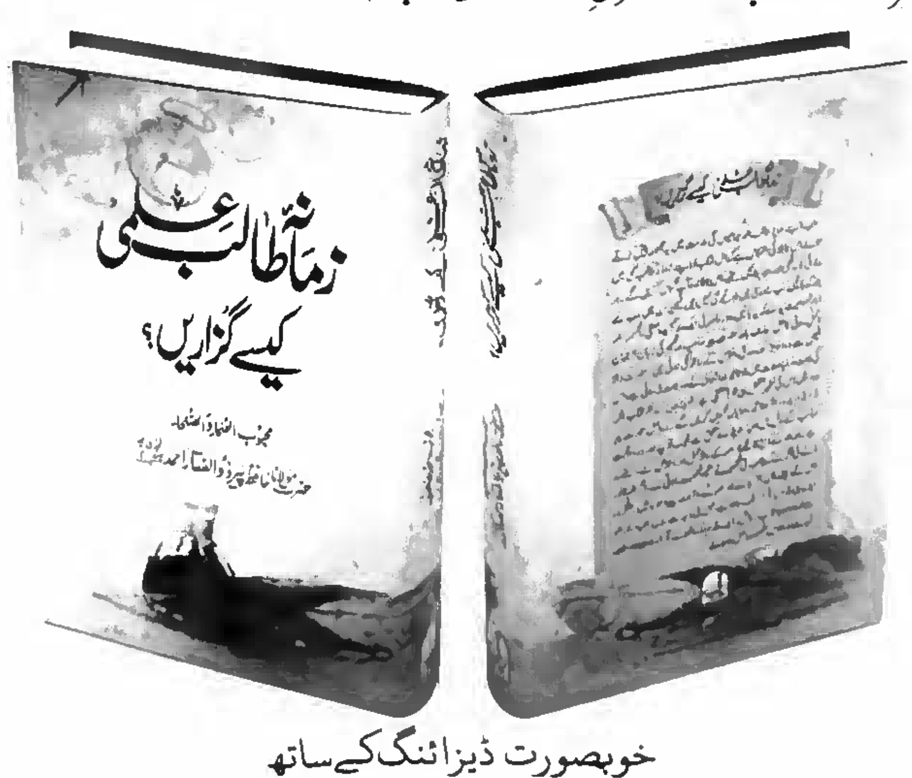
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدے فرمائے تھے وہ وعدے ہم نے اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔ مختلف ممالک فتح ہو چکے تھے اور اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری جگہوں پر پہنچا دیا تھا، اس لیے انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب! آپ نے جو وعدے فرمائے تھے ہم نے ان وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



زمانۂ طالب علمی کیسے گزاریں؟

اب اپنے عزیز طالبِ علم بھائیوں کی خدمت میں یہ مجموعہ پیش کرتے ہوئے اس عاجز کی التماس ہے کہ اس کتاب کو اپنے زمانۂ طالبِ علمی میں زندگی کا ساتھی اور رہبر بنالیں۔ یقیناً اس کا فائدہ آپ محسوس کریں گے۔ ہر چند کہ باتیں سب سادہ سی ہیں اور کچھ نئی نہیں ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ باتیں دورِ حاضر کی ایک برگزیدہ ہستی، مجسمۂ علم وعمل، ولیٔ کامل، عارف باللہ حضرت پیر صاحب مدظلہم کی زبان ترجمانِ فیض سے درد وسوز اور صدق وخلوص کے ساتھ نکلی ہوئی ہیں۔ حضرتِ والا کی ذات سراپا صفات میں جو تاثیر خدا تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے، اس دور میں اس کی نظیر بمشکل ہی نظر آسکتی ہے۔ طلبۂ عزیز زیرِ نظر کتاب میں قدم قدم پر وہ اثر وتاثیر، نمایاں محسوس کریں گے۔ دراصل حضرت پیر صاحب کے دل میں طلبۂ عزیز کے تعلق سے عجیب تڑپ اور درد ومحبت ہے۔ اور علم کے اس قافلے کو، علم کے ساتھ عمل اور اخلاص کے راستے پر لانے کی فکر ہے کہ طالب کی شخصیت تو عظیم شخصیت ہوتی ہے، اگر علم کا نور اس کے سینے میں اُتر جائے اور علم کے اثرات پیدا ہوجائیں۔ مگر وہ ایک ہی قدم پر آکر اٹک جاتا ہے، جس کی وجہ سے روحِ علم اور نورِ علم سے محروم ہوجاتا ہے۔ کاش! ایک قدم اور اٹھالے، تو علم کا مزہ اور لطف آجائے اور منزلِ مقصود حاصل ہوجائے۔

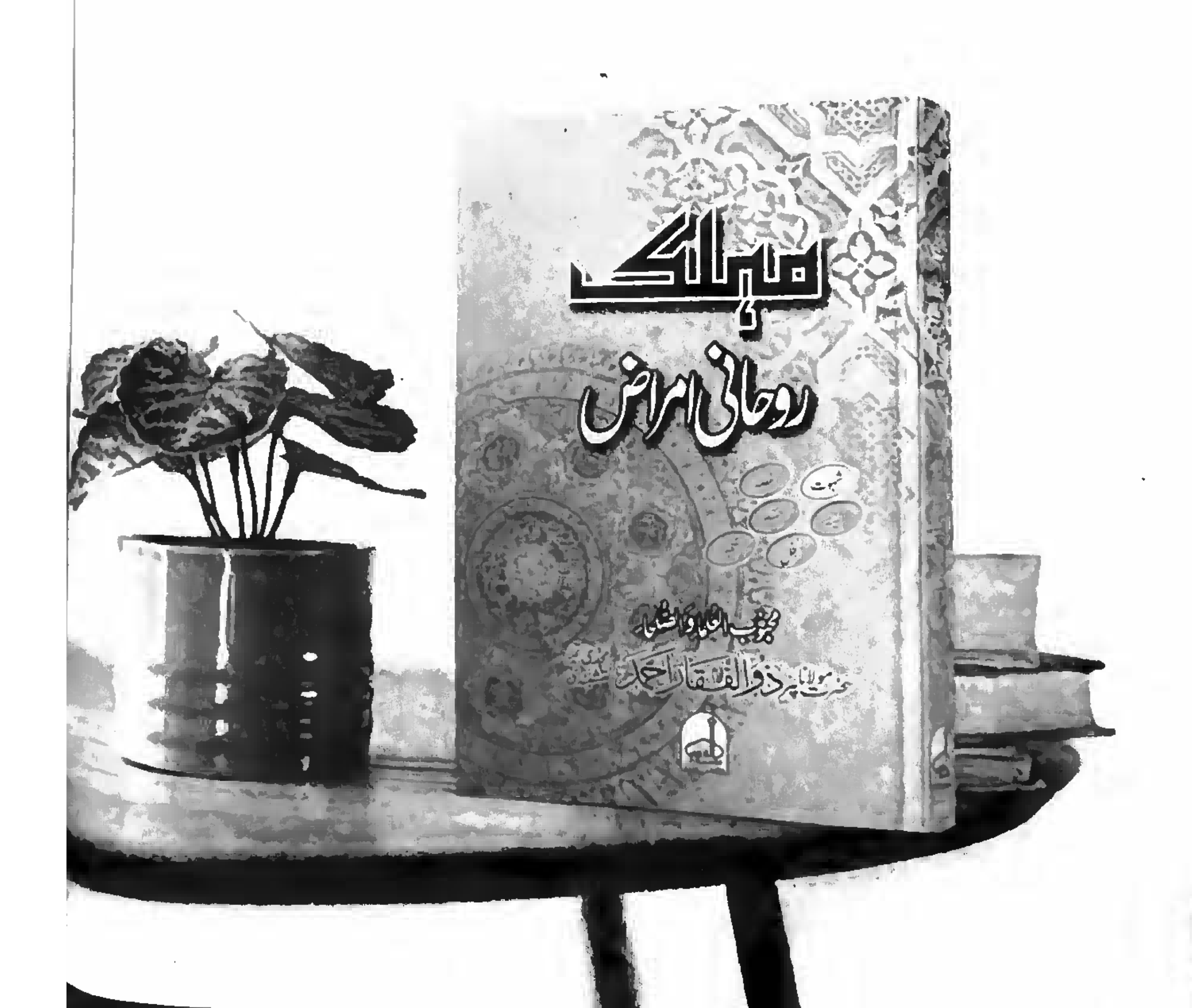


خوبصورت ڈیزائننگ کے ساتھ

موجودہ مہنگائی کے پیشِ نظر اعلیٰ اور عام ایڈیشن دستیاب ہے

عجیب بات ہے کہ آج مادہ پرستی کے دور میں انسان جسمانی امراض کے لیے تو فکر مند ہے لیکن روحانی امراض سے اتنا غافل ہے! اتنا غافل! کہ اکثر و بیشتر اسے یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کے اندر بھی یہ امراض موجود ہیں۔ مشائخ امت نے انسان کے اندر چند ایسے بنیادی امراض کی نشاندہی کی ہے جو اس کے لیے بہت مہلک ہیں۔ مثلاً شہوت ،حرص ،غصہ ،بخل ،حسد اور تکبر وغیرہ۔ اگر چہ روحانی امراض اور بھی کئی ہیں لیکن وہ ان کا ہی مرکب ہوتی ہیں یا ان سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ فقیر نے یہ کوشش کی کہ ان بیماریوں کے بارے میں فکر مند کیا جائے۔ لہٰذا ان امراض پر روزانہ مستقل ایک بیان کیا تا کہ ہر بیماری کی حقیقت اور اس کا علاج سمجھ میں آجائے۔ اگر چہ مکمل علاج تو روحانی معالج (شیخ) کے پاس آنے اور اس کے ساتھ رہنے سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن بندے کو ان بیماریوں کی فکر لگ جائے تو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ ہماری اس فکر کی وجہ سے ہمیں ان بیماریوں سے محفوظ فرمادیں۔

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ



مُحسنینِ اسلام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیئے گئے اعتراضات کا شافی جواب



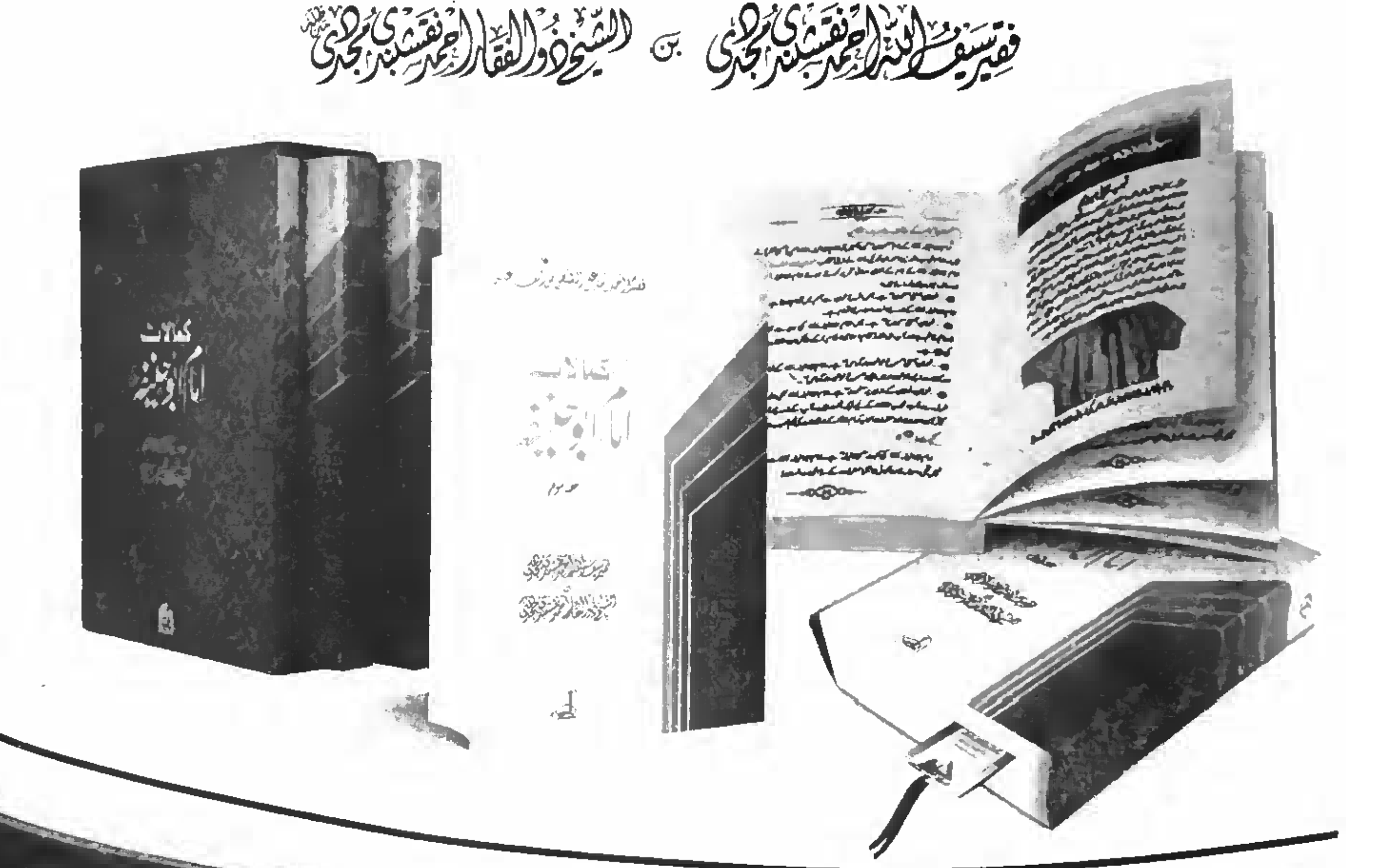
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا شاہکار ہیں ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصور ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم تصویر ہیں ۔ تصویر پر اعتراض درحقیقت مصور پر اعتراض ہوا کرتا ہے ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک صحبت اور تعلیم و تربیت کے باوجود ان کی تکمیل ایمان اور تزکیہ نفس نہ ہوسکا تو پھر قیامت تک آنے والا کوئی بھی شاگرد اپنے استاد سے ظاہری اور باطنی فیضان کی تکمیل نہیں کرسکتا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاجاؤ گے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کے مخاطب اول ہیں اور وہ قدسی نفوس ہیں کہ جن کے ایمان، طہارت اور تقویٰ کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں دی ہے ۔

اس کتابچے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیئے گئے اعتراضات کا شافی جواب دیا گیا ہے تا کہ عام سطح کے آدمی کو بھی بات سمجھ میں آجائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی تردد اور خلجان طبیعت میں باقی نہ رہے ۔ و اللہ الموفق و المستعان

کمالاتِ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نئی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، تخریج اور جدید ڈیزائننگ کے ساتھ نیا ایڈیشن

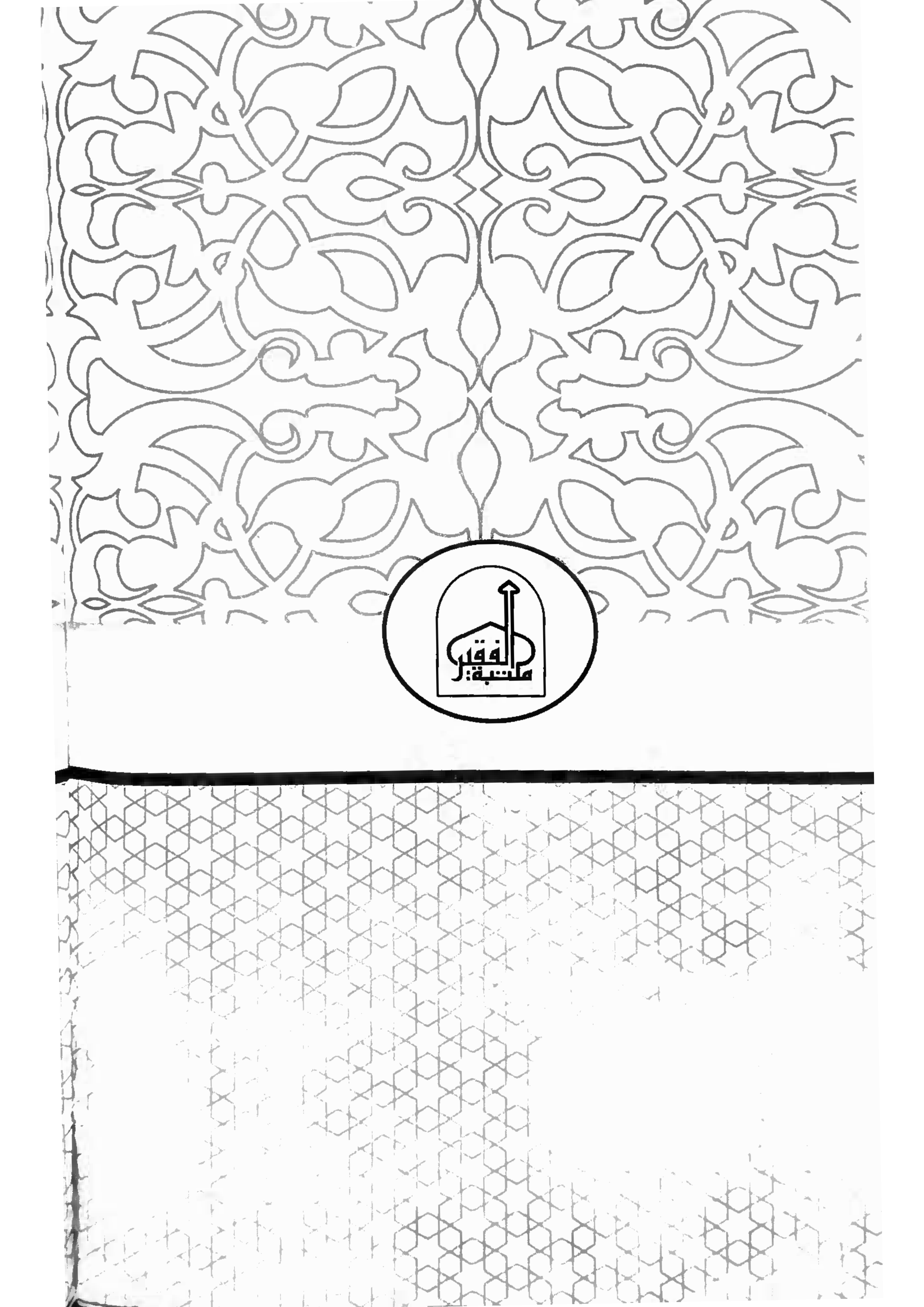
فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی بن الشیخ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

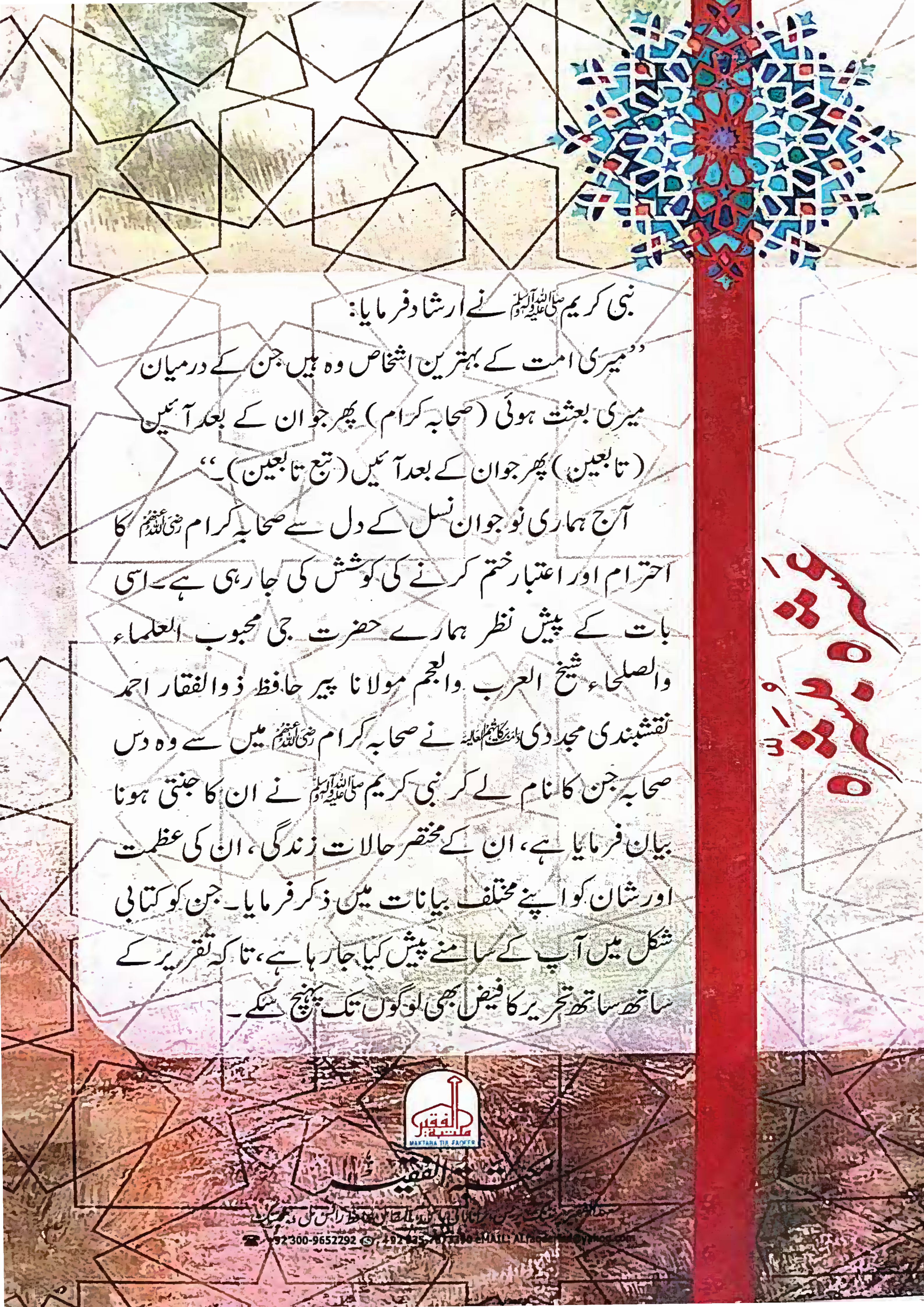


ایک ایسی کتاب کہ جس میں امتِ مسلمہ کی یگانہ روزگار ہستی، فقہ حنفی کے سرخیل، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف گوشہ ہائے حیات کو انتہائی دل پذیر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے تین سو سے زائد واقعات کو یکجا کیا گیا ہے۔ بے شک امام عالی مقام کی زندگی کے علم و حکمت، فہم و ذکاء، تفقہ فی الدین، زہد و تقویٰ، عبادات و ریاضت، ذہانت و فطانت، مقامات و کمالات، کشف و کرامات اور عزیمت و استقامت پر مبنی حیرت انگیز واقعات کا مطالعہ قارئین کے لیے مشعل راہ اور اپنے اکابر کی عظمت و شان سے واقفیت کا ذریعہ بھی ہیں۔

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ

''یہ ہیں ہمارے آباؤ اجداد، پس لے آؤ ان کی مثال''


مكتبة الفقير



نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میری امت کے بہترین اشخاص وہ ہیں جن کے درمیان میری بعثت ہوئی (صحابہ کرام) پھر جو ان کے بعد آئیں (تابعین) پھر جو ان کے بعد آئیں (تبع تابعین)۔“

آج ہماری نوجوان نسل کے دل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام اور اعتبار ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ہمارے حضرت جی محبوب العلماء والصلحاء شیخ العرب والعجم مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ دس صحابہ جن کا نام لے کر نبی کریم ﷺ نے ان کا جنتی ہونا بیان فرمایا ہے، ان کے مختصر حالات زندگی، ان کی عظمت اور شان کو اپنے مختلف بیانات میں ذکر فرمایا۔ جن کو کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، تاکہ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کا فیض بھی لوگوں تک پہنچ سکے۔

MAKTABA TUL FAQEER

مکتبۃ الفقیر

92300-9652292